ماہنامہ
طلوعِ اسلام
قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
لاہور

اگست 2013ء

پرویز صاحب کے علمی اسلوبِ تحقیق کی تائید

قرآنی نظریات کی روشنی میں مغرب کے غلط تصورات کی تردید میں محترم پرویز اور ہمارے ہاں کے مفکرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر علامہ اقبال، ڈاکٹر رفیع الدین احمد اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی تصنیفات سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ جب بھی قارئین ان اقتباسات کی روشنی میں محترم پرویز صاحب کی تصنیفات کا جائزہ لیں گے تو وہ ان تمام خوبیوں کو بشمول دیگر خوبیوں کے ان میں پائیں گے۔ اس موضوع پر محترم پرویز صاحب کا موقف جاننے کے لئے خصوصی طور پر ان کی تصانیف ''انسان نے کیا سوچا'' اور ''اسلام کیا ہے'' ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔

(1) ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کا موقف:

1- عقل اور وحی میں تصادم نہیں بلکہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

2- قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

(الف) اپنے زمانوں کے تقاضوں اور اپنے دور کی فکری کاوشوں سے متعارف ہوں۔

(ب) قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریفِ آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

(2) ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف:

مغرب کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید قرآنی نظریات سے کرتے ہوئے مصنف کے لئے ضروری ہے کہ:

1- وہ روحِ قرآن کے ساتھ پوری پوری واقفیت پیدا کریں جس کے بغیر قرآنی اور غیر قرآنی تصورات میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔

2- وہ مغرب کے غلط تصورات کے اصل ماخذ اور ان کے متبعین کے طرزِ خیال وعمل سے پوری پوری واقفیت پیدا کریں۔

3- وہ علم کے تمام شعبوں سے یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم اور فلسفہ سے جو ان علوم کو جمع کر کے ایک مکمل نظریہ کائنات ترتیب دیتا ہے، اس حد تک واقف ہوں کہ ان کی ساری وسعت میں جہاں کہیں کوئی اسلامی تصور موجود ہو اسے پہچان کر لے سکیں اور استخراج اور استنباط سے مزید صحیح اسلامی تصورات کو اخذ کر سکیں۔

4- وہ دائرہ اسلام سے باہر چوٹی کے حکماء اور فُضلاء کو ذہن میں رکھیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کے قائل ہونے سے دنیا کی ذہنی فضا سے باطل تصورات کا اثر زائل کیا جاسکتا ہے۔

5- وہ علمی دنیا کے مسلمہ حقائق سے آغاز کر کے ان قرآنی حقائق کی طرف آئیں جن کی صحت لوگوں کے نزدیک مسلم نہیں۔

6- کسی غلط عقیدہ کی محض نفی مخالفین کو قائل نہیں کر سکتی جب تک اس کے مقابل کے صحیح تصور کا اثبات نہ کیا جائے۔

7- وہ ایک فلسفہ یا ایک فلسفیانہ خیال کی تردید کے لئے جن تصورات کو صحیح سمجھ کر کام میں لائیں تو کسی دوسرے فلسفہ یا فلسفیانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط قرار نہ دیں۔ بلکہ اپنے موقف پر قائم رہیں۔

8- مغرب کے صحیح تصورات کو نہ تو رد کریں اور نہ ہی ان کے غلط تصورات کو قبول کریں۔

9- ہر غلط فلسفہ کے اندر وہ جن تصورات کو صحیح سمجھیں انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے غلط قرار نہ دیں اور جن تصورات کو غلط سمجھیں، انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے صحیح قرار نہ دیں ورنہ وہ اپنی تردید خود کریں گے۔

(3) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا موقف:

1- کسی علمی صداقت کے ساتھ متصادم نہ ہو بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح سے ہم نوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں علمی صداقتیں منکشف ہوں وہ اس کے اندر سماتی چلی جائیں۔

2- جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط وضبط رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی عقلی تائید اور توثیق کرتے ہوں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جب اس کے تمام تصورات قرآن کے بنیادی تصور کے ساتھ عقلی طور پر متعلق ہوں۔

3- جو تمام باطل فلسفوں کی موثر تردید کرتی ہو۔

4- جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو اور حقیقتِ انسان و کائنات کے اہم مسائل کے بارے میں عملی راہ نمائی کرتی اور صداقت اور سچائی کا راستہ بتاتی ہو۔

5- جو علمی تصورات کی خامیوں کو آشکار کر کے انہیں پاکیزہ اور شُستہ بناتی ہو۔

6- جو ہمیں احکامِ دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایک ایسا تصور دیتی ہو، جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجلّہ طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بینک اکاؤنٹ نمبر 7-3082، نیشنل بینک آف پاکستان،
مین مارکیٹ گلبرگ برانچ کوڈ (0465) لاہور

اگست 2013ء | جلد 66 | شمارہ نمبر 8

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

انتظامیہ
قائم مقام چیئرمین وناشر
محمد اکرم راٹھور

مدیر انتظامی
محمد سلیم اختر

قانونی مشیر
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

قیمت فی پرچہ
-/30 روپے
بدل اشتراک سالانہ
-/350 روپے

بیرونِ ملک
2300 روپے
کینیڈا، امریکہ، آسٹریلیا
2500 روپے

25-B, Gulberg 2, Lahore-54660, Pakistan
Phone: 35714546 Fax: 35764484
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف ہوتی ہے۔

پرنٹرز: اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز، 364۔ عمر پارک، لاہور

Naveed Graphic 5.5x8 1c

فہرست

لمعات: یہ ہمارا خواب تھا	ادارہ	3
نماز کی اہمیت	غلام احمد پرویز	4
نظریۂ پاکستان کا مفہوم	ڈاکٹر انعام الحق	5
دین کی تبدیلی، مذہب میں	منظور حسین لیل۔ بھکر	10
نظریۂ ارتقاء	راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)	27
احادیث کی جدید جمع آوری	شہریار خان	38
ترکی میں حدیث کی تدوینِ جدید	جاوید احمد غامدی	41
پاکستان میں غربت کیسے مٹ سکتی ہے؟	تبصرۂ کتب	45

ENGLISH SECTION

Ramadan – Time for Re-examination and Unplugging From The Matrix	**By Dr. Mansoor Alam**	**49**
Surah Al-Jinn – Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 15	**By G. A. Parwez (Translated by: Dr. Mansoor Alam)**	**56**

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔ فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226	
2- البلال بک ڈپو، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0344-2502141	3- شہباز بک ایجنسی، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32632664
4- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0331-2716587	5- شاہ زیب انٹر پرائزز، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32214259
6- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32628939	7- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32212269
8- مکتبۂ دارالقرآن، اردو بازار، کراچی۔	9- محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631056
	10- ایوانِ کتب، اردو بازار، لاہور، فون: 0321-8836932

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

یہ ہمارا خواب تھا

(1) حضرت عمرؓ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے ذرا دیر سے نکلے۔ منبر پر چڑھے تو لوگوں سے معذرت کی کہ اس تاخیر کا باعث ان کا کرتہ ہے۔ انہوں نے اسے دھو کر سکھانے کے لئے ڈال رکھا تھا اور اس کے سوکھنے میں دیر ہوگئی۔
یہ اس لئے کہ آپ بیت المال سے صرف ایک چادر اور ایک کرتہ لیا کرتے تھے۔

(2) حضرت عمرؓ اپنے اہل وعیال کے اخراجات کے لئے صرف دو درہم روزانہ بیت المال سے لیا کرتے تھے۔ یہ ایک مزدور کی کم از کم روزانہ اجرت کے برابر تھا۔

(3) بیت المال میں کہیں سے مُشک آئی۔ حضرت عمرؓ کی بیوی نے کہا کہ لائیے اسے ترازو سے تول دوں۔ فرمایا ہاں! اسے تم ترازو میں تولو گی اور جو مُشک پلڑے میں رہ جائے گی اسے اپنے کپڑوں سے مل لو گی۔ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ عمرؓ کا نہیں کہ یوں اپنے صَرفہ میں لے آؤ۔

(4) حضرت عمرؓ کسی مقدمہ میں بطور مدعا علیہ حضرت زیدؓ (قاضیِ مدینہ) کی عدالت میں گئے تو حضرت زیدؓ تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؓ نے انہیں ڈانٹا کہ عدالت کی نگاہ میں عمرؓ اور مدعی یکساں ہونے چاہئیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس قسم کا جذبہ غیر شعوری طور پر عدل میں مانع ہو جائے۔

یہ خواب کی تعبیر ہے

(1) جب ہشام بن عبدالملک (خلیفۃ المسلمین) حج کے لئے آیا تو چھ سو اونٹوں پر صرف اس کے پہننے کے کپڑے ساتھ تھے۔

(2) مامون الرشید (خلیفۃ المسلمین) کے دسترخوان کا روزانہ خرچ دس ہزار درہم تھا۔

(3) ولید (خلیفۃ المسلمین) نے اشعب مسخرے کو بلایا۔ اسے بندر کی کھال پہن کر ناچنے کو کہا اس نے اس طرح ناچ، ناچا اور گایا تو ولید نے خوش ہو کر ہزار درہم انعام میں بخش دیئے!

(4) بغداد کے قاضی حفصؔ نے ہارون الرشید کی بیوی زبیدہؔ کے کارندے کے خلاف ڈگری دے دی۔ وہ ہارون الرشید کے سر ہو گئی کہ قاضی کی یہ مجال کہ میرے کارندے کے خلاف فیصلہ دے دے۔ خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید نے اس ''جرم'' کی پاداش میں قاضی کو معزول کر دیا۔

(ادارہ)

غلام احمد پرویز

نماز و روزہ کی اہمیت

میں نے ایسی باتیں بھی سنی ہیں کہ بعض اراکین بزم یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اب جو اسلام کو سمجھا ہے اس کی بناء پر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ''طلوع اسلام'' نے آپ کو یہی تعلیم دی ہے کہ نماز نہ پڑھنے پر فخر کرو؟ آپ نے غیر قرآنی روشِ زندگی کو تو نہ چھوڑا اور اس کے بجائے اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے۔ اور ستم بالائے ستم کہ اپنے آپ کو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستہ ظاہر کر کے ایسی باتیں کرنے لگے۔ طلوع اسلام پر آخر یہ کتنا بڑا الزام ہے جو آپ نے عائد کر دیا۔

ذاتی طور پر مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور میں ہمیشہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن یہ انتہائی ظلم ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کے لئے جواز کی صورتیں تلاش کرنے لگ جائیں۔ آپ قرآنی نظریات کے خلاف سب کچھ کر رہے ہیں۔ تجارت، کاروبار، شادی، رشتے ناطے سب کچھ ہو رہا ہے۔ بینک بیلنس برابر قائم ہیں۔ قرآن کے مطابق انہیں بدلنے کے لئے آپ کے ذہن میں کبھی کچھ نہیں آیا۔ پھر نماز کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟ (بعض گوشوں سے آوازیں آئیں کہ یہ بھی ہمارے مخالفین کا پروپیگنڈہ ہے جو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستگی ظاہر کر کے اس قسم کی باتیں مشہور کرتے رہتے ہیں۔ محترم پرویز صاحب نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا) ہم معاشرے میں اصلاح کا آغاز اپنے گھروں سے ہی کر سکتے ہیں لیکن اگر پہلے خود ہی نماز روزہ چھوڑ دیں تو پھر اصلاح کس طرح ہوگی؟ خدارا اپنے قول و عمل کو بصیرت، علم اور خلوص پر مبنی رکھئے۔ ''مقدس بہانے'' تلاش نہ کیجئے بلکہ اعتراف کیجئے اپنی کمزوریوں کا۔ ہم نے قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے جو صرف نیک اور پاکباز زندگی بسر کرنے سے قائم ہو سکے گا۔ (منزل بہ منزل از پرویز، ص 35-36)

☆.....☆.....☆

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

سی ڈی اور کتب کی خریداری

WWW.TOLUISLAM.COM

☆ اندرون ملک، فون: +92 42 35753666، ای میل: trust@toluislam.com

ڈاکٹر انعام الحق

نظریۂ پاکستان کا مفہوم

نظریۂ پاکستان کی بنیاد انسانی معاشرتی زندگی کے آغاز ہی سے نظریہ اسلام کے دوقومی نظریہ سے اخذ کی گئی ہے' جو حضرت نوحؑ (قرآن میں جن کے ذکر سے انبیاء کرام کے ذکر کا آغاز ہوتا ہے) سے لے کر تمام انبیاء کرام اپنے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ پیغام کو ''الحق'' کی صورت میں لوگوں کو پیش کرتے رہے ہیں۔ اُن میں جو صاحبِ فہم وشعور سوچنے اور سمجھنے کے باوجود اپنے عقائد ہی پر رہتے اور خدائے واحد کی فرمانبرداری (الحق) سے انکار کر دیتے' وہ اپنی پہلی قوم کے فرد کے نام سے پہچانے جاتے۔ جو لوگ اللہ کے پیغام پر ایمان لا کر اللہ کی فرمانبرداری میں رسول کا ساتھ دیتے' وہ اپنی قوم سے علیحدہ دوسری قوم (مسلم کے نام سے) کے طور پر متعارف ہوتے۔ اس طرح آغاز ہی سے ایک قوم کی بجائے دوقومیں وجود میں آ گئیں۔ ان دونوں قوموں کی نسل ایک تھی' زبان ایک تھی اور قبیلہ بھی ایک تھا' لیکن اس کے باوجود نظریہ کے اختلاف سے ایک قوم دوقومیں بن گئیں۔ اسے ہی آج کی زبان میں نظریہ کا اختلاف کہا جاتا ہے' لہٰذا اسے ہم دوقومی نظریہ کا نام دے سکتے ہیں۔ اللہ کا یہ پیغام اب اپنی مکمل شکل میں آخری مرتبہ قرآن میں تمام نوع انسانی کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اب بنیادی طور پر جو لوگ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں' اُنہیں مومنین کی جماعت میں شمار کیا جاتا ہے اور ایک علیحدہ قوم کا درجہ دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ قرآن اور اُسکے پیغام سے انکار یا کفر کرتے ہیں' وہ کفار کی جماعت میں شامل اور دوسری علیحدہ قوم تصور کئے جاتے ہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ (64:2)

(وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو تم میں کوئی کافر ہے اور تم میں کوئی مؤمن)۔

کافر تو وہ ہے جو مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتا (5:44) اور اپنے عمل کے اعتبار سے ظالم (5:45) اور فاسق (5:47) ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابل مؤمن وہ ہے جو مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے مطابق شرائطِ ایمان پوری کرتا اور اعمالِ صالحہ کی بجاآوری سے تقویٰ شعار ہو جاتا ہے (4:136; 2:177) وہ اقامتِ دین کرتا ہے اور دین میں تفرقہ پیدا نہیں کرتا (42:13)۔ اُسوۂ رسول ﷺ کے مطابق غلبۂ اسلام کے لئے تگ وتاز کرتا ہے (61:0; 48:28; 9:33; 33:21) حصولِ جنت کے بدلے اپنا مال اور جان اللہ تعالیٰ کے فرمودہ مقاصد کے لئے بے دریغ قربان کر دیتا ہے (9:111)۔ میزانِ خداوندی میں یہ کافر اور مؤمن کبھی برابر نہیں

ہوتے۔ (68:35; 45:21; 38:28)۔

صاحبِ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے حامل افراد کے لئے اللہ تعالیٰ نے استخلاف فی الارض اور دین کے تمکن کا وعدہ فرمایا ہے جس میں خوف کی فضا ختم ہو کر امن میں تبدیلی ہو جاتی ہے (24:55)۔ یہ ہے نظریۂ پاکستان کا مفہوم۔ یہی بات ہمارے ہاں دوقومی نظریہ کے نام سے متعارف ہے۔

علامہ اقبال کا موقف:۔.....علامہ اقبالؒ نے اپنی طرف سے کوئی نیا نظریۂ پاکستان متعارف نہیں کرایا' بلکہ اسی دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان میں آباد مسلمانوں کا قرآن پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اور ایک علیحدہ قوم کا تشخص رکھنے کی بنا پر علیحدہ وطن کا مطالبۂ پاکستان پیش کیا' جو زبانِ زدِ عام میں نظریۂ پاکستان کے نام سے پہچانا جانے لگا۔ اسے انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الٰہ آباد 1930ء میں اپنے خطبۂ صدارت میں ان الفاظ میں پیش کیا کہ ''مجھے تو یہی نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم از کم اس علاقہ کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے''۔ مسلمانوں کی اسلامی ریاست کی وضاحت انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں یوں کی کہ

''گر تو می خواہی مسلمان زیستن۔ نیست ممکن جز بقرآن زیستن''

اگر تو مسلمان کی زندگی گزارنے کا خواہشمند ہے' تو قرآن کی ہدایت سے باہر زندگی گزارنے کا خیال ہی ناممکن ہے۔ اسی دوقومی نظریہ کی بنا پر پاکستان کی اسلامی ریاست میں قرآن کی اہمیت اور وضاحت علامہ اقبالؒ نے سید سلیمانؒ ندوی کے نام خط میں یوں کی کہ ''قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کی مدعی ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیاساتِ انسانیہ کے لئے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیت سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔

''قائداعظمؒ کا موقف:۔.....نظریۂ قرآن ہی کو نظریۂ پاکستان کی شکل میں سامنے لانے میں علامہ اقبالؒ اور اس تصور کو مملکتِ پاکستان کے حصول کو عملی جامہ پہنانے میں قائداعظمؒ کا نام لیا جاتا ہے۔ ان دونوں کا مشترکہ موقف یہی ہے کہ نظریۂ پاکستان دراصل نظریۂ اسلام ہی ہے' جس کا ماخذ قرآن کریم ہے۔ علامہ اقبال کے موقف کا مختصر جائزہ لیا جا چکا ہے اور اب یہاں قائداعظمؒ کے موقف کا مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے نظریۂ پاکستان کی وضاحت عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء کے سوال کے جواب میں (1941) یوں کی کہ ''اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی' نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔'' نظریۂ پاکستان اور نظریۂ قرآن کو ایک دوسرے کے

مماثل قرار دینے کے اپنے موقف کا اظہار' قائداعظمؒ نے اپنے 1935ء کے عید کے پیغام میں دوٹوک الفاظ میں یوں بیان کیا کہ ''اس حقیقت سے سوائے جہلاء کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا بنیادی ضابطۂ حیات ہے جو معاشرت' مذہب' تجارت' عدالت' دیوانی' فوجداری' اور تعزیرات کے ضوابط اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مذہبی تقاریب ہوں یا روزمرہ کے معمولات' روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا' اجتماعی حقوق کا سوال ہو یا انفرادی واجبات کا' عام اخلاقیات ہوں یا جرائم' دنیاوی سزا کا سوال ہو یا آخرت کے مواخذہ کا۔ ان سب کے لئے اس میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لئے رسولِ اکرم نے حکم دیا تھا کہ ''ہر مسلمان قرآن کریم کا نسخہ اپنے پاس رکھے اور اس طرح خود اپنا پیشوا بن جائے''۔ اس لئے اسلام صرف روحانی نجات اور مذہبی رسوم و پوجا پاٹ تک محدود نہیں۔ یہ مسلم معاشرہ کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے خواہ وہ فرد پر لاگو ہو یا پورے اجتماع پر۔

''نظریہ کی حد تک تو ہم نے نظریۂ پاکستان کے مفہوم میں دیکھ لیا کہ یہ قرآن کریم پر ایمان رکھنے کی بنیاد پر ایک علیحدہ قوم کے تشخص کا حامل ہے' لیکن کیا یہ ممکن العمل ہے؟ اس کا جواب اگر نفی میں ہے' تو اس کی اہمیت نہیں رہتی۔ اس لئے ہمیں اس نظریۂ پاکستان کے ممکن العمل ہونے کا جائزہ لینا ہوگا۔ نظریۂ پاکستان (قرآن) پر مبنی اسلامی مملکت کا قیام..... اسلامی مملکت کے قیام اور اُس کے دستور کے نفاذ میں ہمیں رسولِ اکرمؐ کے درجِ بالا فرمان کو پیش نظر رکھنا ہوگا' جس میں اُنہوں نے فرمایا کہ ''ہر مسلمان قرآن کریم کا نسخہ اپنے پاس رکھے اور اس طرح خود اپنا مذہبی پیشوا بن جائے''۔ یہ فرمان دراصل قرآن ہی کی ترجمانی کرتا ہے کہ ''بے شک رسول اللہ کی زندگی ہر شخص کے لئے بہترین نمونہ تھی (اور ہے)' جو اللہ اور آخرت کی خوشگواریوں اور کثرت سے ذِکرُ اللہ (قانون خداوندی) کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھے (33:21)''۔ رسولِ اکرمؐ نے نبوت کے پہلے تیرہ (13) برس اُمت کو تیار کرنے میں لگا دیئے۔ اُس کے بعد بھی نامساعد حالات ہونے کی وجہ سے اپنے رفقاء کے ہمراہ ہجرت تک کرنا پڑی۔ وہاں مدینہ میں بھی بتدریج اسلامی مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اور قرآنی دستور کے نفاذ میں ایک طویل مدت لگ گئی۔ ہم کوشش کریں گے کہ قرآن کی روشنی میں اُٹھائے گئے بتدریج اور ترتیب وار اقدامات کا مختصر سا جائزہ پیش کر سکیں۔

1- (پہلی منزل) قرآن (الحق) کا نوع انسانی کے سامنے رکھنا: اللہ نے قرآن نازل اس لئے کیا ہے تاکہ حق کو لوگوں کے سامنے لایا جائے۔ اللہ کی طرف سے یہ انسان کا بنیادی حق ہے تاکہ وہ اپنے انتخاب کی بنا پر کئے گئے اعمال کا ذمہ دار ٹھرایا جا سکے۔ اسی کی وضاحت قرآن میں (18:29) ہے کہ ''(لوگوں) سے کہہ دو کہ تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے۔ اب جس کا جی چاہے اس پر ایمان لائے اور جس کا جی چاہے اس سے کفر کرے''۔ حق کو انسان کے سامنے لایا جائے تو ہی ایمان لایا جاتا اور کفر کیا جاتا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں انسان بے خبر کہلائے جانے کا مستحق ہوتے ہیں۔ اسی لئے رسولؐ کی طرف وحی کے ذریعے الحق کا نزول کرنے

کے ساتھ ہی یہ اللہ کی طرف سے رسولؐ کا فریضہ ہوتا تھا کہ وہ اسے لوگوں تک پہنچانے میں کسی قسم کی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں۔

2-(دوسری منزل) قرآن کی طرف دعوت وتبلیغ۔ مثالی حالت تو یہی سمجھی جاتی ہے کہ انسان کے دل میں اور خود اپنی فکر سے حق کی طرف میلان پیدا ہو جائے (Ideal position) اور اس کے نتیجہ میں ایمان لائے۔ اس ایمان میں اگر کسی قسم کا تذبذب یا کمی رہ جائے تو ابلاغ کے ذریعے ایمان میں پختگی پیدا کرنے کا بندوبست کرنا چاہئے۔ اس منزل میں اس کی بھی اُمید کی جاتی ہے کہ جہاں حق کا پیغام ابھی تک نہیں پہنچا، وہاں الحق کی طرف دعوت دی جائے۔ 3-(تیسری منزل) مومنین کی جماعت کی تشکیل۔ اس منزل میں جو لوگ ایمان لے آتے ہیں، اُن سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ اس میں جن افراد کے قلب ونگاہ میں تبدیلی پیدا ہو چکی ہوتی ہے، اُن کو ایک جماعت میں تشکیل دے کر اجتماعی قوت میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح مصائب کا مقابلہ اور دفاع کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور مقاصد کے حصول میں مدد مل جاتی ہے۔ 4-(چوتھی منزل) جماعتِ مومنین کی تعلیم وتربیت۔ قلب ونگاہ کی تبدیلی کے بعد جماعت کی تشکیل کے موقعہ پر انفرادی طور پر اور اسلامی حکومت کے تشکیل ہو جانے کی صورت میں ابتدائی طور پر ہی تعلیم وتدریس کے ذریعے ایمان کو مزید پختہ کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے حضور نبی اکرم کا فریضہ زندگی یہ بتایا ہے (62:2) کہ ''وہ کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔ اس سے اس حقیقت کا افشاء مقصود تھا کہ کوئی بچہ کسی نظریہ کو ساتھ لے کر دنیا میں نہیں آتا۔ آپ جس نظریہ کا حامل اپنی قوم کو بنانا چاہتے ہیں، مسلسل تعلیم وتربیت سے اس نظریہ کو بچوں کے قلب ودماغ کی گہرائیوں میں پیوست کرتے جائے تاکہ ایمان میں مزید پختگی آتی جائے۔ اس ضمن میں مترفین (طاقتور استحصالی طبقہ) کی طرف سے مشکلات اور مختلف اذیتوں کا سامنا کرنا پڑے، تو اسے صبر اور پورے عزم کے ساتھ برداشت کرنا پڑے گا۔ یہ وقت بھی آسکتا ہے کہ آپ کو دوسرے مقام پر، جہاں حالات نسبتاً زیادہ سازگار ہوں، ہجرت کرنے کا انتخاب کرنا پڑے۔ 5-(پانچویں منزل) اسلامی مملکت کا قیام اور قرآنی دستور (نظریۂ پاکستان) کا نفاذ۔ اس آخری مقام کو نہایت مختصر مومنین کی جماعت کی معیت میں ممکن العمل شکل دینے کے لئے رسولِ اکرم نے بتدریج قرآن کریم کے نازل شدہ ترتیب وار احکام کی روشنی میں اسلامی مملکت کے قیام کو عملاً قائم کر دیا۔ اسی طرح نظریۂ پاکستان (قرآن) کا عملاً نفاذ ایک اسلامی حکومت علی منہاجِ النبوت رسولِ اکرمؐ کے طریق کے مطابق ممکن العمل بنا سکتی ہے۔ اس طرح کہ ابتدائی منازل میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد پاکستان کی آزاد مملکت اس امر کا اعلان کر دے کہ اس کا تمام کاروبارِ مملکت قرآن کے مطابق ہوگا۔ قرآن حکیم میں کچھ احکام وقوانین متعین شکل میں دئے گئے ہیں اور بعض اقدار اصول کے طور پر بیان ہوئی ہیں۔ یہ سب غیر متبدل اور تمام مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے نافذ العمل رہنے کے لئے دی گئی ہیں۔ جن اقدار کے صرف اصول دئے گئے ہیں، مملکت کے اربابِ فکر ونظر، با اختیار نمائندگانِ ملت ان اصولوں کی روشنی میں، اپنے تقاضوں کے مطابق، ان کے جزئی قوانین مرتب کریں گے۔ جو کچھ اسلاف سے چلا آرہا

ہے' اُن پر باقاعدہ غور وفکر اور مشاورت کے بعد' اُن میں جو قوانین قرآنی اصولوں کے مطابق اور ہمارے زمانے کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں' انہیں ایسا ہی باقی رہنے دیا جائے گا۔ اس بقاء میں قرآن کے اس اصول کو بھی ملحوظِ نگاہ رکھا جائے گا کہ (13:17) ''دنیا میں بقاء اُس اصول میں ہے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے نفع بخش ہو''۔ جن اصولوں میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی' ان میں قرآن کریم کی حدود کے اندر رہتے ہوئے تبدیلی کر لی جائے گی۔ جہاں نئے قانون کی ضرورت ہوگی' قرآن ہی کی حدود میں نیا قانون بنایا جائے گا۔ اس طرح قرآن کے اصول غیر متبدل رہیں گے اور ان کے اندر وضع کردہ قوانین زمانے کی ضرورتوں کے ساتھ بدلتے جائیں گے۔ ایسی مملکت نظریۂ پاکستان کی بنیاد پر استوار ہوگی۔

قرآنی دستور (نظریۂ پاکستان) کے بتدریج نفاذ میں ہمارا مسئلہ

یہ درست ہے کہ نبی اکرمؐ نے نبوت کے پہلے تیرہ برس تک اُمت کو تیار کیا اور اُس کے بعد اپنی مملکت کے حصول میں اسلامی دستور کو نافذ کیا۔ اس کے برعکس پاکستان میں ہماری قوم کی تربیت ہوئی نہیں اور ہم اسلامی دستور (نظریۂ پاکستان) نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ تدبر کا مقام یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ معاشرہ کس منزل کی حالت میں ہے اور پھر اس کے مدِنظر عمل کیا جائے۔ جس منزل کی حالت میں آپ کا معاشرہ ہے' اس سے متعلق قرآن مجید میں کیا احکام اور راہنمائی ہے' جسے اس کے مطابق زیرِعمل لانا ہوگا اس لئے کہ ہر منزل کے ترتیب وار پروگرام کو کامیابی سے پورا کرتے ہوئے بتدریج ہم آگے کی منازل میں قدم رکھ سکتے ہیں۔ اس ضمن میں رفتہ رفتہ عمل کی دعوت دیتے ہوئے قرآن کریم ایک پورا پروگرام دیتا ہے۔ پہلی منزل سے آخری منزل تک مختلف مدارج میں سے گزارتا ہوا لے جاتا ہے۔ ہر منزل کے متعلق اس میں ہدایات' راہنمائی اور احکام موجود ہیں یہی مدارج طے کراتے ہوئے رسول اکرم اسلامی مملکت (ہماری زبان میں میں نظریۂ پاکستان) کے حصول میں کامیاب ہو سکے۔ یہی اللہ کا متعین کردہ اصول ہے جس میں نہ تبدیلی ممکن ہے اور نہ ہی کسی قسم کا استثناء موجود ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہمارا معاشرہ آج کس منزل میں کھڑا ہے تاکہ ہم اُس منزل کے قوانین تلے خود کو ڈھال سکیں۔ اس کا فیصلہ اگر دیانتداری سے ہم کر پائے' تو یہی ہماری صراطِ مستقیم ہوگی جس پر چل کر ہم اپنی آخری منزل (نظریۂ پاکستان کی تکمیل) تک پہنچنے کے اہل ہو سکتے ہیں۔ آج ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ قوم کے سامنے اسلامی دستور (نظریۂ پاکستان) بطور نصب العین رکھ دیا جائے اور اس پر اسی نہج سے رفتہ رفتہ عمل کر کے آخری منزل تک پہنچا جائے۔ یہ مسلک نظریۂ پاکستان سے مطابقت رکھتا ہے۔

یاد رکھئے' ایمان اور عمل صالحہ کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض اور تمکّنِ دین ہے (24:55)۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

منظور حسین لیل۔ بھکر

دین کی تبدیلی، مذہب میں

مرکزیت کے ٹوٹ جانے کے بعد، اسلام جو کہ ایک دین تھا، مذہب میں تبدیل ہوگیا۔ دین اور دنیا ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ اور وحدتِ امت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ مذہب، ہمیشہ دین کے خلاف برسرِ پیکار رہا ہے۔ دینِ اسلام ایک اجتماعی نظام تھا جو ایک مکمل نظامِ حکومت (نظامِ سیاست، معیشت و معاشرت وغیرہ) پر مشتمل تھا جبکہ مذہب، انفرادی معاملہ قرار پا گیا اور اسلام پر عمل (دیگر مذاہب کی طرح) صرف انفرادی بخشش اور نجات تک محدود ہو گیا۔ مذہبی پیشوائیت نے جنم لیا۔ دنیا (سیاست و معیشت) حکمرانوں، اور مذہب، مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں چلے گئے۔ اسلام دوسرے مذاہب کی سطح پر آ گیا اور اس کے تمام شعائر کا مفہوم بھی دوسرے مذاہب کے شعائر کے مفہوم جیسا لیا جانے لگا۔ اب اسلام کا حکومتی معاملات سے کوئی خاص تعلق نہ رہا۔ اسے سیکولرازم کہا جاتا ہے۔ امتِ مسلمہ کے زوال کی بنیادی وجہ یہی (دین سے مذہب میں) تبدیلی ہے۔ اسی حقیقت کا ادراک نہ ہونے اور اسے تسلیم نہ کرنے کے باعث صدیوں سے حقیقی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوسکی، لہٰذا، دین اور مذہب کے فرق کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔

☆.....☆.....☆

دین اور مذہب:۔ اسلام ''دین'' ہے، ''مذہب'' نہیں۔ امتِ مسلمہ میں دین (قرآن) بطور نظامِ حکومت الٰہی نافذ چلا آ رہا تھا اور یہ امت دنیا میں ایک سپر پاور کی حیثیت سے موجود تھی کہ مفاد پرست قوتوں (فرعونیت اور قارونیت یعنی ملوکیت اور سرمایہ دارانہ نظام) نے مذہبی پیشوائیت (ہامانیت) کے تعاون سے دین اور دنیا کو الگ الگ کر کے دین کو، مذہب (عملاً سیکولر نظریہ) میں تبدیل کر دیا۔ دین میں، تفرقہ بازی سختی سے منع تھی۔ جبکہ مذہب میں، امت میں فرقہ بندی جائز قرار پا گئی، اور امت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ہر فرقہ کی مساجد اور نمازیں الگ الگ ہوگئیں۔ مرکزیت ٹوٹ گئی۔ امت کی قوت ختم ہوتی چلی گئی اور موجودہ قابلِ رحم حالت کو پہنچ گئی۔ اس امر کا تجزیہ ضروری ہے کہ دین کیا تھا، اسے کیوں، کب اور کیسے مذہب میں تبدیل کیا گیا۔ اس عمل میں ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کا کیا کردار رہا، اور اس کے امتِ مسلمہ پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟۔ اسے غور سے ملاحظہ فرمائیے:۔

عقول کی جنگ:۔ طلوعِ اسلام جولائی ۱۹۷۷ء۔ ص۔۲۴۔۲۳:۔ ''انسان کے جبلی تقاضوں، یعنی جذبات پر، فطرت نے اپنا

کنٹرول عائد نہیں کیا۔ اسے اپنے جذبات پر خود کنٹرول عائد کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ کنٹرول عقل وفکر کی رو ہی سے عائد کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا، عقل وفکر اور دانش وبینش، باعثِ شرفِ آدمیت اور موجبِ جوہرِ انسانیت ہیں۔ اور جبلی تقاضوں (جذبات) کی پیروی، حیوانیت سے بھی پست سطحِ زندگی کی مظہر۔۔۔ جہاں تک طبیعی قوتوں کا تعلق ہے، انسان، حیوانات کے مقابلے میں بڑا کمزور واقع ہوا ہے۔۔ نہ اسے ہاتھی جیسی طاقت حاصل ہے، نہ شیر جیسی قوتِ درندگی۔ نہ یہ ہرن جتنا تیز دوڑ سکتا ہے، نہ عقاب جیسا بلند اڑ سکتا ہے۔ لیکن وہ ان تمام حیوانات کو اپنی عقل وفراست کے زور سے مغلوب اور تابع فرمان بنا سکتا ہے۔۔۔ فطرت کی طرف سے سب انسان، یکساں واجب التکریم پیدا ہوئے تھے لیکن جب انسانی معاشرہ میں ''میری اور تیری'' کی تفریق وتخصیص پیدا ہوئی تو اُن لوگوں نے، جو اپنی ہوسِ اقتدار کو حدود وفراموش اور اپنے جذبہء حرص وآز کو قیود نا آشنا بنانا چاہتے تھے، اس سوال پر غور کیا کہ اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کو کس طرح تابعِ فرمان بنا کر ان کی محنت کے ماحصل کو غصب (Exploit) کیا جائے۔ انہوں نے دیکھا کہ بڑے بڑے عظیم الجثہ حیوانات کو اس لئے مغلوب کر لیا جا سکتا ہے کہ وہ عقل وفکر سے عاری ہوتے ہیں۔ اس لئے دوسرے انسانوں کو اپنا مطیع اور فرماں پذیر بنانے کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ انہیں کسی طرح عقل وفکر سے بیگانہ بنا دیا جائے۔ ان کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیتوں کو مفلوج، اور رفتہ رفتہ مصلوب کر دیا جائے۔۔۔ آپ تاریخِ انسانیت پر غور کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ انسانوں میں، باہمی کشمکش۔ Battle of wits۔ یعنی عقول کی جنگ مسلسل چلی آ رہی ہے۔ حاکم ومحکوم، آمر ومامور، مطاع ومطیع، مقتدیٰ ومقتدی، آجر ومستاجر محتاج ومستغنی، کی تفریق وتمیز، اسی کشمکشِ پیہم کے مختلف مظاہر ہیں۔ جو زیادہ زیرک اور چالاک تھے، انہوں نے ایسے انداز اور طریقے وضع کئے جن سے ان لوگوں کو، جو نسبتاً کم عقل وفہم کے مالک تھے، اپنے دامِ تزویر میں لے آئے، اور اس طرح گوشہء سیاست میں حاکم وآمر، دنیائے مذہب میں مطاع ومقتدیٰ اور جہانِ معیشت میں: ربکم الاعلیٰ: اور اَن داتا بن بیٹھے۔ اس کے بعد ایسا انتظام کیا کہ محکوم ومطیع محتاج طبقہ کی فکری صلاحیتیں ابھرنے نہ پائیں۔ اس نظام کو، جس کی رو سے انسانوں کی عقل وفکر کے چراغ گل کئے جاتے ہیں ''مذہب'' کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسے مذہب کہتے ہیں:۔ آپ اس لفظ کو سن کر شاید چونک اٹھیں، کیونکہ مذہب کا تصور تو عام طور پر کچھ اور ہوتا ہے، لیکن میں نے جو کچھ عرض کیا ہے، وہ حقیقت پر مبنی ہے۔۔۔ مذہب، نجات حاصل کرنے کے ذریعہ ہی کا نام نہیں، یہ تو مذہب کا ایک گوشہ ہے۔ ہر وہ نظام، جو عقل وفکر کی صلاحیتوں کو مفلوج کر کے، انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کا تابعِ فرمان بنائے، مذہب کہلاتا ہے۔ خواہ وہ دہریت ہی کا نظام کیوں نہ ہو۔ خدا کی طرف سے عطا کردہ ''دین'' اس نظام کے خلاف چیلنج ہوتا ہے۔ وہ سب سے پہلے یہ اعلان کرتا ہے کہ:۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (3:79)۔ ''کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں۔۔۔ خواہ اسے ضابطہء قوانین، حکومت اور ''نبوت'' بھی حاصل کیوں نہ ہو۔۔ کہ وہ دوسرے لوگوں سے کہے

کہ تم اللہ کے نہیں، بلکہ میرے محکوم اور فرماں پذیر بن جاؤ''۔ یہ دین کا سب سے پہلا اعلان ہوتا ہے جسے وہ بغرض اختصار۔ لا الٰہ الا اللہ۔ کے نظریہ حیات کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ جب دنیائے انسانیت میں ایسا عظیم انقلاب لائے گا تو وہ، سب سے پہلے، اس اصل و بنیاد کو اکھیڑے گا جس پر انسانی تغلب، استبداد، اور استحصال کی عمارت استوار ہوتی ہے۔۔۔یعنی فرعونیت (سیاسی استبداد)، ہامانیت (مذہبی اقتدار) اور قارونیت (معاشی استحصال) کی عمارت۔۔وہ ان اغلال وسلاسل کو توڑ دے گا جن میں انسانی عقل وفکر کو جکڑ دیا گیا تھا۔ اوران برفانی سلوں کو اٹھا کر پھینک دے گا جن کے نیچے عقل وشعور کو دبا کر مفلوج کر دیا گیا تھا۔ قرآن کریم نے جب حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا کہ:۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (7:157)۔ تو اس کا مفہوم یہی تھا۔ یعنی انسانوں کو ان شکنجوں سے آزاد کر کے، وہ ایسا انتظام کرے گا کہ اس کی فکری صلاحیتیں نشوونما پاتی ہوئی بلند سے بلند تر ہوتی جائیں تا کہ کوئی انسان دوسرے انسان کو اپنا محکوم ومطیع بنا کر، ان کی محنت کو غصب نہ کر سکے۔''

مذہب کا تصور:۔ طلوعِ اسلام جولائی ۱۹۷۹ء۔ص۔۴۔''دین، خدا کی طرف سے، حضرات انبیائے کرام کی وساطت سے انسانوں کو ملتا رہا۔ لیکن انسانوں نے اس میں اپنے خیالات ونظریات کی آمیزش کر کے، اسے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ دین کی اس مسخ شدہ صورت کو ''مذہب'' کہتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ مذہب کی دنیا میں پہنچ کر، انسانی زندگی کے (طبیعی اور جذباتی) تقاضوں کے ساتھ کیا ہوا؟۔۔۔مذہب کا بنیادی تصور یہ ہے کہ یہ دنیا قابلِ نفرت ہے۔ یہاں کی ہر شے شر ہے۔ اس لئے خدا پرست انسان کو چاہیئے کہ وہ دنیا سے دور بھاگے۔ یہاں کی ہر شے سے نفرت کرے۔ وہ جس قدر مادی دنیا کے لذائذ وحظائظ سے قطع تعلق کرتا جائیگا، اتنا ہی خدا کا مقرب بنتا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر اس کی کیفیت یہ ہو جائے کہ ان جاذبیتوں کے لئے اس کے دل میں خواہش تک بھی پیدا نہ ہو، تو اس کی مکمل نجات ہو جائے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک انسان زندہ رہے گا اسے کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت لامحالہ رہے گی۔ اس سے اسے مفر ہی نہیں۔ وہ انہیں کم کر سکتا ہے، لیکن ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ جنگل میں چلا جائے۔ غاروں میں جا بسے۔ پہاڑ کی چوٹی پر آسن جما کر بیٹھ جائے۔ اسے کچھ نہ کچھ کھانے پینے کے لئے ضرور چاہیئے۔۔۔اس لئے مذہب پرست لوگ، کھانے پینے کی چیزوں کو تو مطلق حرام، قرار نہ دے سکے۔ البتہ، جن عناصر کا تعلق انسان کے جذبات سے تھا۔۔۔یعنی اشیائے کائنات کا جمالیاتی پہلو۔۔۔انہوں نے ان کا گلا ضرور گھونٹ دیا۔۔پھر، اتنا ہی نہیں کہ یہ لوگ ان چیزوں سے مجتنب رہے ہوں۔ انہوں نے ایسی زندگی بسر کرنا تقاضائے ''روحانیت'' قرار دیا، جو ہر صاحبِ ذوق کے نزدیک انتہائی قابلِ نفرت ہو۔ آپ ان کی روحانی دنیا کے بڑے بڑے اکابر کے حالات پڑھئے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ نہایت گھناؤنے اور نفرت آگیں ماحول میں زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ عیسائیوں کے (SAINTS) ہوں یا ہندوؤں کے سنیاسی۔ وہ بدھوں کے بھکشو ہوں یا اربابِ خانقاہیت، ان سب کی کیفیت ایسی ہی نظر آئے

گی۔کسی کے متعلق کہا جائے گا کہ اس نے ساری عمر غسل ہی نہیں کیا۔فلاں نے عمر بھر نہ حجامت بنوائی نہ ناخن ترشوائے۔کسی نے غلاظت کے ڈھیر اور دلدل میں زندگی گزار دی۔کوئی ساری عمر کھلے آسمان کے نیچے بیٹھا رہا۔کوئی کنوئیں میں لٹکا رہا۔۔آپ اب بھی اپنے ہاں کے کسی ''اللہ والے سائیں بابا۔۔۔'' یا ان سے بھی اگلی منزل میں پہنچے ہوئے مجذوب کو دیکھئے۔۔غلاظت و کثافت کی وجہ سے آپ کا ذوقِ سلیم ان کے قریب تک جانے سے اِبا کرے گا۔لیکن عقیدت مندوں کے ہجوم کو اسی مَزبلہ میں جنت کی ہواؤں کی خوشبو آرہی ہوگی۔۔جو لوگ اس تفریط تک نہیں جاتے، ان کی شریعت بھی زیبائش و آرائش کی چیزوں کو حرام قرار دینے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتی۔''

دین اور مذہب کی جنگ:۔ طلوعِ اسلام جون ۱۹۷۹ء ص۔۳۵:۔''علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے، شرارِ بو لہبی

سوال یہ ہے کہ چراغِ مصطفوی ﷺ کیا ہے جس کے ساتھ، ازل سے تا امروز، شرارِ بولہبی ستیزہ کار چلا آرہا ہے۔یہ کون سی کشمکش ہے جس کا سلسلہء دراز، نوعِ انسان کی پوری تاریخ کو محیط ہے۔اس تماشہ گاہ میں ہزاروں قومیں آئیں اور چلی گئیں، سینکڑوں نظام ابھرے اور بیٹھ گئے۔متعدد تہذیبوں کے چراغ جلے اور بجھ گئے لیکن وہ کون سے ایسے حریفانِ ازلی ہیں جن کی باہمی آویزش پر ان تمام تغیرات کا کوئی اثر نہ ہوا۔اور ان کی ستیزہ کاری کا سلسلہ، ہر دور اور ہر مقام میں بدستور جاری رہا۔اور اب تک جاری ہے۔آپ انسانی تاریخ پر جس قدر بھی غور کریں گے ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں گے۔کہ وہ کشمکشِ پیہم، وہ ستیزِ مسلسل، وہ آویزشِ متواتر **''دین اور مذہب کی جنگ''** ہے۔جس دن سے شعورِ انسانی نے آنکھ کھولی، اس جنگ کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ ملوکیت، سرمایہ پرستی وغیرہ بھی انسانیت کے کم دشمن نہیں، لیکن اگر آپ ذرا بہ نظرِ تعمق دیکھیں گے تو یہ حقیقت سامنے آجائیگی کہ یہ، اور اسی قسم کے دیگر مستبدانہ تصورات اور نظام، مذہب ہی کے سہارے قائم رہے، اور جب دین نے مذہب کو مٹایا تو پھر اس کے ساتھ یہ خود بخود مٹ گئے۔اس لئے اصل کشمکش دین اور مذہب ہی کی ہے۔

مذہب کی چیرہ دستیاں:۔ مذہب کا تصور، مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ ہے جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ دوسرے انسانوں کی کمائی پر عیش کی زندگی بسر کریں اور یہ کچھ اس انداز سے کریں کہ یہ انہیں لوٹیں اور وہ انہیں دعائیں دیں۔یہ انہیں دھتکاریں اور وہ ان کے پاؤں پڑیں۔یہ انہیں بلا جرم و قصور گالیاں دیں اور وہ گڑگڑا کر معافیاں مانگیں۔یہ بھری محفل میں انہیں بے عزت کریں لیکن وہ اپنے کمرے کی تنہائیوں میں، اپنے دل کے اندر بھی ان کی شان میں گستاخی کا خیال تک نہ لاسکیں۔یہ ان سے ہر قسم کی خدمت اور بیگار لینا اپنا حق سمجھیں اور وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل، اپنی زندگی کا مقدس ترین فریضہ قرار دیں۔ان کے ادنیٰ سے اشارے پر اپنے سینے میں خنجر

گھونپ لیں۔اپنے بچوں کے گلے پر چھری پھیر دیں۔آگ میں کود پڑیں۔پہاڑ کی چوٹی سے سر کے بل نیچے آگریں۔تختۂ دار پر ہنسی خوشی چڑھ جائیں۔ان کی رتھوں کے آہنی پہیوں کے نیچے آکر کچلے جائیں۔یہ اپنے جس حریف کے خلاف چاہیں، انہیں کھڑا کر دیں۔اور وہ اتنا جانے اور پوچھے بغیر کہ ہمیں ان کے خلاف کیوں لڑایا جارہا ہے، ان کی جانیں لیتے اور اپنی جانیں دیتے جائیں۔وہ خود بھوکے رہیں اور ان کے خادموں کو نعمتیں کھلائیں۔اپنے بچوں کو فاقے سے رکھیں اور ان کے کتوں کو دودھ پلائیں۔خود ننگے رہیں اور ان کے پتھروں کو حریر واطلس کے لبادے پہنائیں۔آپ خس وخاشاک کی جھونپڑیوں میں زندگی کے دن کاٹیں اور ان کی ہڈیوں کی راکھ پر سنگِ مرمر کی فلک بوس عمارات استوار کریں۔زندگی میں تو ایک طرف، ان کی موت کے بعد بھی ان کے دل پر ان کا خوف اس طرح طاری رہے کہ وہ ان کے تصور سے ڈرتے، کانپتے، لرزتے، سہمے رہیں۔غرضیکہ یہ ہر وقت ان بے چاروں کے اعصاب پر چھلاوے کی طرح سوار، اور ان کے ذہن پر بھوت بن کر چھائے رہیں اور وہ ان کے پنجہ کی آہنی گرفت سے کبھی نکلنے نہ پائیں۔۔یہ ہیں اس مذہب کے چند گوشے جسے مفاد پرست انسانوں کی عقلِ فریب کار نے تراشا اور جسے کمزور اور ناتوانوں کا خون چوسنے کے لئے ایک موءثر ترین حربہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔اس میں شبہ نہیں کہ ملوکیت اور سرمایہ داری کا استبداد بھی کچھ کم استخواں شکن اور خون آشام واقع نہیں ہوا۔لیکن انہیں اپنے غلبہ وتسلط کی زنجیریں مستحکم رکھنے کے لئے سینکڑوں قسم کی قوتیں فراہم اور ہزار قسم کے حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کب شکار، ان کے جال سے نکل جائے۔لیکن مذہبی دسیسہ کاریوں کا تو یہ عالم ہے کہ اس میں:۔صید خود صیاد را گوید بگیر۔اس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کرے تو یہ غلام آگے بڑھ کر اس کا گلا گھونٹ دیں۔اور اگر کسی وقت کوئی زنجیر اتفاقاً ٹوٹ جائے تو یہ اس کے ٹوٹے ہوئے حلقوں کو اپنی مژگانِ ارادت سے اٹھا کر چومیں اور بصد عقیدت اپنے گلے میں ڈال لیں۔

لوگوں کو جاہل رکھا جائے:۔ مذہب نے اپنی تمام مہرہ بازیوں اور سحر انگیزیوں کے لئے صرف ایک بنیادی حربہ استعمال کیا اور وہ یہ کہ اس نے جو کچھ کرنا چاہا اسے ''خدا'' کی طرف منسوب کر دیا۔اس کی ساری گرفت کا راز اسی میں ہے۔اس کے لئے اس نے پیش بندی یہ کی کہ لوگوں کو سوچنے سمجھنے سے دور رکھا جائے۔اور عقل وفکر کے قریب نہ آنے دیا جائے۔کوئی جتنی زیادہ جہالت آمیز باتیں کرے اسے اتنا ہی زیادہ خدا کا مقرب سمجھا جائے۔جو جس قدر زیادہ بعید از علم وعقل امور پر یقین ظاہر کرے، اسے اتنا ہی زیادہ پختہ ایمان والا قرار دیا جائے۔اربابِ مذہب کی تیکنیک ہی یہ ہوتی ہے کہ اپنے معتقدین کو جہالت کے گڑھے سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔توہم پرستیوں پر ایمان کا مدار اور عجوبہ پسندیوں کو صداقت کا شعار قرار دیا جائے۔ان کی طرف سے پیش کردہ عقائد پر ایمان لایا جائے تو بلا علم ودلیل، اور ان کے احکام کی تعمیل کی جائے تو یہ پوچھے بغیر کہ اس سے بالآخر مقصد کیا ہے؟۔مذہب کی طرف سے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کے حق میں اس کے پاس ایک ہی دلیل اور ایک ہی سند ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ایسا کچھ پیچھے سے ہوتا چلا آرہا

ہے۔ ہمارے اسلاف کا یہی مسلک تھا۔ اگر کوئی شخص مذہب کے پیش کردہ کسی عقیدے یا مسلک پر اعتراض کرے تو عوام کو یہ کہہ کر بھڑکا دیا جائے کہ یہ شخص تمہارے اسلاف کی توہین کرتا ہے۔ عوام کے جذبات کو بھڑکا کر جس قدر فتنہ وفساد برپا کیا جا سکتا ہے، مذہب کی تاریخ خونچکاں کا ایک ایک ورق اس پر شاہد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر خوں ریزیاں اور فساد انگیزیاں مذہب کے مقدس نام پر ہوئی ہیں، ہلاکو اور چنگیز کے حصہ میں ان کا عشر عشیر بھی نہیں آیا ہوگا۔ یہی وہ حربہ ہے جس سے اربابِ مذہب اپنے مخالفین کو اس طرح ڈرا دھمکا کر رکھتے ہیں کہ وہ ان کے خلاف ایک لفظ تک کہنے کی جراءت نہیں کر سکتے۔ مذہب کا سارا مدار عوام کے جذبات پر ہے۔ اس کے لئے وہ اس قسم کے مواقع پیدا، اور ایسی تقریبات وضع کرتے رہتے ہیں جن سے عوام کے جذبات میں شدت آتی رہے۔ اور ان کی یہ آگ بجھنے نہ پائے۔ یہ ہے اس مذہب کا اجمالی سا تعارف، جو پہلے دن سے آج تک، انسانیت کی گردن میں پھانسی کا پھندا بن کر پڑا ہے، اور جس نے نوعِ انسان کی نس نس کو اس طرح اپنی گرفت میں لے رکھا ہے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف، ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتی۔

خدا کا دین:۔ اور یہی ہے اس کی وہ آہنی گرفت جس سے نوعِ انسان کو چھڑانے کے لئے، خدا کی طرف سے ''دین'' آتا رہا۔ اس دینِ خداوندی کے پیامبر، حضرات انبیاء کرام تھے جو ''مذہب'' کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی دعوت دیتے تھے۔ وہ انسانوں کو اس چنگل سے آزاد ہونے کی دعوت دیتے تھے اور اربابِ مذہب اپنی پوری قوتوں کو مجتمع کر کے، ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اس محاذ میں اربابِ اقتدار، ان کے پشت پناہ اور سرمایہ دار طبقہ ان کا حمایتی ہوتا تھا۔ اس لئے کہ خدا کا دین، ان کے حق میں بھی تو موت کا پیغام تھا۔ وہ دین کو مغلوب اور مذہب کو غالب رکھنے کی انتہائی کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ مذہب کے غلبہ میں خود ان کی ہستی کا راز مضمر تھا۔ دین اور مذہب کی یہی وہ کشمکش ہے جو پہلے دن سے آج تک دنیا کے ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانے میں مسلسل اور پیہم چلی آ رہی ہے۔ اور اسی کو علامہ اقبال، چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاری سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسے انسانیت کے لئے بدترین لعنت اور خدا کا عذاب قرار دیتے ہیں۔ وہ جاوید نامہ میں لکھتے ہیں:۔

چار مرگ اندر پۓ ایں دیر میر سود خوار و والی و مُلّا و پیر

یعنی مذہب کا شجرۃ الزقوم اور اس کی پروردہ شاخیں۔ ملوکیت اور سرمایہ داری۔ ہمارے زمانے میں سرمایہ داری کے خلاف جذبات شدت سے ابھر رہے ہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کی نگاہ اس طرف اٹھتی ہے کہ سب سے زیادہ شدید ''سرمایہ دار'' طبقہ تو مذہبی پیشوائیت کا ہے۔ سرمایہ دار کا یہی جرم ہے کہ وہ خود محنت نہیں کرتا اور دوسروں کی محنت کی کمائی پر عیش کرتا ہے۔ لیکن اسے اس کے لئے کچھ سرمایہ لگانا (invest کرنا) پڑتا ہے۔ اس کے برعکس مذہبی پیشوائیت ہے کہ ایک پیسہ (Invest) کئے بغیر دوسروں کی محنت کی کمائی پر عیش کی زندگی بسر کرتی ہے۔ کہئے! اس قسم کی سرمایہ داری کی مثال کہیں اور بھی ملتی ہے؟۔''

دین اور مذہب کی کشمکش:۔ طلوع اسلام جون ۱۹۷۹ء ص۔۳۸:۔ ''قرآن کریم، دین اور مذہب کی اس کشمکش کے متنوع گوشوں کو بار بار سامنے لا کر اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ وہ اس کشمکش کی ابتداء حضرت نوح کی اس انقلابی دعوت سے کرتا ہے جس کی رو سے انہوں نے، مذہب کی غیر خدائی قوتوں کی محکومیت میں جکڑی ہوئی قوم سے کہا کہ:۔ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ (23:23)۔ ''اے میری قوم کے لوگو! تم، مذہب کے ان اجارہ داروں کی اطاعت اور محکومیت کی زنجیروں کو توڑ دو۔ اور صرف ایک خدا کے قوانین کی اطاعت کرو۔ یاد رکھو! اس کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت اختیار کی جائے۔'' بات کس قدر صاف اور واضح تھی! لیکن انہوں نے نہ تو اسے قبول ہی کیا اور نہ ہی اس کی تردید میں کوئی دلیل اور برہان پیش کی۔ کہا تو صرف اتنا کہ: مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ (23:24)۔ ہم نے اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی سے یہ بات نہیں سنی اس لئے ہم اسے سننے کے لئے تیار نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ جو بات تم کہتے ہو اس میں ہمارے نزدیک یہ غلطی اور یہ سقم ہے بلکہ یہ کہ جس راستے کی طرف تم بلاتے ہو، چونکہ ہمارے اسلاف اس راستے پر نہیں چلا کرتے تھے اس لئے ہم بھی اسے اختیار نہیں کر سکتے۔ ہم اسی روش پر چلتے جائیں گے جس پر وہ چلا کرتے تھے۔'' اس کے بعد پرویز صاحب نے حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی اسی دعوت اور ان کی اقوام کی طرف سے اسی جواب کا تذکرہ کیا ہے (۵۴۔۲۱/۵۲۔۸۷، ۸۴، ۶۱/۱۱۔۷۸، ۱۰/۷۸)۔

اور پھر حضور نبی اکرم ﷺ کی دعوت اور اس کا وہی جواب منجانب قوم (۴۳/۳۴۔، ۷/۳۸) پیش کرتے ہوئے لکھا کہ:۔ ''غرضیکہ حضرت نوح ہوں یا ہود، حضرت صالح ہوں یا شعیب، حضرت موسیٰ ہوں یا نبی آخر الزمان ﷺ، ہر داعیٔ حق و صداقت کو مخالفین کی طرف سے یہی جواب ملتا رہا کہ:۔ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ (43:22)۔ ''ہم نے اپنے اسلاف کو ایک طریق پر چلتے دیکھا ہے۔ اور ہم انہی کے نقشِ قدم پر چلتے جائیں گے۔'' قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ.....(43:24)۔ ان کے رسول ان سے کہتے رہے کہ جس راستے کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں اگر وہ راستہ تمہارے اسلاف کے راستے سے زیادہ واضح، صحیح، روشن اور یقینی طور پر منزل کی طرف لے جانے والا ہو، تو کیا تم پھر بھی اسلاف ہی کے راستے کو ترجیح دو گے؟۔ وہ کہتے کہ ہمارے لئے تقابل اور انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ہم کوئی اور بات سننا ہی نہیں چاہتے۔: اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (43:23)۔ ''ہم نے اپنے اسلاف کو ایک راستے پر چلتے پایا ہے اور ہم انہی کے نقوشِ پا پر آنکھیں بند کئے چلتے جائیں گے۔'' ان سے کہا جاتا کہ: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (5:104)۔ ''اگر صورت یہ ہو کہ تمہارے آباؤ اجداد کو حقیقت کا کچھ علم نہ ہو اور وہ ساری عمر غلط راستے پر چلتے رہے ہوں تو کیا تم پھر بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہو گے؟۔ جواب ملتا کہ بے شک ہم اسی راستے پر چلتے رہیں گے۔ اس لئے کہ: حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ ..... (5:104)۔ ''ہمارے اطمینان کے لئے یہ کافی ہے کہ ہم اپنے آباء کے راستے پر چل رہے ہیں۔ ہمیں اس سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت

نہیں۔'' حضور نبی اکرم ﷺ خدا کے آخری نبی اور قرآن، خدا کی آخری کتاب تھی، اس لئے دین اور اسلاف پرستی کی اس کشمکش کا قرآن کریم نے تفصیل سے ذکر کیا ہے تاکہ آنے والی نسلوں کو اس کا علم ہو کہ قرآن کی دعوت پیش کرنے والوں کو کس کس قسم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ قرآن کریم جب ان کی اسلاف پرستی کی روش کی مخالفت کرتا تھا تو اس لئے نہیں کہ اسے ان کے اسلاف سے (خدا واسطے کا) بیر تھا۔ یہ اس لئے تھا کہ قرآن اپنی دعوت کو علم و عقل کی بناء پر پیش کرتا تھا اور ان سے کہتا تھا کہ اگر تم اسے مسترد کرتے ہو تو علم و عقل کی رو سے ایسا کرو۔: هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (2:111)۔ ''تم اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس کے حق میں دلائل پیش کرو''۔ اس سے واضح ہے کہ جسے ''دین اور مذہب کی کشمکش'' کہا جاتا ہے، وہ درحقیقت علم و ایقان اور جہالت اور دھاندلی کی کشمکش ہے۔ قرآن کریم اپنے دعاوی کو کس طرح علم و عقل کی رو سے پیش کرتا ہے اور وہ غور و فکر اور تدبر و شعور کو کس قدر اہمیت دیتا ہے، اس پر اس کا ایک ایک صفحہ گواہ ہے۔''

☆.....☆.....☆

دین کا مذہب میں بدل جانا:۔ طلوعِ اسلام نومبر ۱۹۷۴ء۔ ص۔۲۰۔ ''تاریخ کا یہ عجیب المیہ ہے کہ ایک انقلابی نظام جن عناصر کو شکست دیتا ہے کچھ عرصہ کے بعد جب اس انقلاب آفریں جماعت کے اخلاف کے مقاصدِ حیات بدل جاتے ہیں اور اس طرح ان کی انقلابی قوتوں میں ضعف آنے لگتا ہے تو وہ شکست خوردہ عناصر اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے پھر سے ابھر آتے ہیں۔ لیکن وہ ٹیکنیک عجیب اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے قدیم نظریات اور رسومات کا احیاء نہیں کرتے کیونکہ اس جماعت کے وارثوں کو ان الفاظ وارکان سے چڑ ہوتی ہے۔ وہ ان کے نظریات کے لفظوں اور ان کے ارکان کی شکلوں کو علیٰ حالہٖ قائم رہنے دیتے ہیں۔ صرف ان کا مقصدِ حیات بدل دیتے ہیں۔ امتِ مسلمہ کا مقصدِ حیات دنیا میں نظامِ خداوندی کا غالب کرنا تھا۔ وہ اس مقصد کو ان کی نگاہوں سے اوجھل کر کے، انفرادی نجات کو مقصودِ زندگی قرار دے دیتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں دین کو مذہب سے بدل دینا۔ نزولِ قرآن سے پہلے جتنے مذاہب تھے، ان کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ وہ اپنے آغاز میں دین تھے، شکست خوردہ قوتوں نے انہیں بعد میں مذہب میں تبدیل کر دیا۔ یہی کچھ اسلام کے ساتھ ہوا۔ اس نے نظامِ خداوندی کے قیام سے ملوکیت، مذہبی پیشوائیت اور نظامِ سرمایہ داری کو شکست دی تھی۔ جب مسلمانوں کا مقصدِ حیات بدل گیا تو یہ قوتیں ابھر آئیں۔ انہوں نے قرآن کے حروف، معتقدات کے الفاظ، نظامِ خداوندی کے پروگرام کے ارکان صوم و صلوٰۃ وغیرہ کی شکلوں کو علیٰ حالہٖ رہنے دیا۔ لیکن ان کے مفہوم کو بدل دیا۔ مقصود کو بدل دیا۔ اور اس کے بعد عوام کے دل میں اس عقیدہ کو راسخ سے راسخ تر کرتے چلے گئے کہ یہی اسلام ہے اور اسی کا قائم رکھنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ، جس سے خوشنودیٔ باری تعالیٰ حاصل ہوتی ہے۔ اب ان کے ''علماء کرام'' کا فریضہ نظامِ خداوندی کو دیگر نظامات پر غالب کرنا نہ رہا بلکہ دیگر

مذاہب کے مقابلہ میں مذہبِ اسلام کی افضلیت ثابت کرنا رہ گیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ خود ان کے اپنے اندر، مختلف فرقوں کے نزدیک اسلام کی خدمت یہ قرار دیا گیا کہ دوسرے فرقوں کے مسلک کے مقابلہ میں اپنے فرقہ کے مسلک کی برتری ثابت کر دیں۔ اب ان کے نزدیک بحث طلب مسائل اس قسم کے رہ گئے کہ نماز میں آمین خفی آواز سے کہنی چاہیئے یا بلند آواز سے۔ یا پھر اس قسم کے نظری مباحث (Non-issues) کہ:۔

ابنِ مریم مر گیا یا زندہء جاوید ہے — ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عین ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے — یا مجدد، جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات''

☆.....☆.....☆

دین اور مذہب کا فرق:۔ طلوعِ اسلام اپریل ۱۹۷۰ء ص ۴۴:۔ ''مذہب (RELIGION) یا دھرم سے مفہوم ہے خدا اور بندے کے درمیان تعلق۔ یہ تعلق ایک پرائیویٹ عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کا انسان کی خارجی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس خارجی زندگی کے لئے ایک اور نظام کی ضرورت ہوتی ہے جسے دولتی نظام۔ state۔ یا حکومت کہا جاتا ہے۔ مذہب میں خدا کی حیثیت، محض پرستش کی ایک شے، ہوتی ہے۔ اور بندے اور خدا کا تعلق پرستار اور پرستیدہ کا تعلق ہوتا ہے۔ معاملات، انسانوں کے اپنے وضع کردہ قوانین کی رو سے طے ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام ایک مذہب نہیں، دین ہے۔ مذہب کا لفظ تک قرآن میں نہیں آیا۔ دین انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ انسانی زندگی کے مختلف گوشوں پر غور کیجئے اور پھر دیکھئے کہ قرآن کریم نے اس کے نظامِ زندگی کے لئے جو لفظ دین استعمال کیا ہے وہ کس قدر جامع اور بلیغ ہے۔''

طلوعِ اسلام اگست ۱۹۷۰ء ص ۴:۔ ''مذہب'' (جسے عام طور پر Religion کہہ کر پکارا جاتا ہے) خدا اور بندے کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق کا نام ہے جسے انسان کی تمدنی، عمرانی، سیاسی، معاشی زندگی سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس پرائیویٹ تعلق کو ایک عیسائی اپنے گرجے میں، ایک پارسی اپنے آتشکدہ میں، ایک ہندو اپنے مندر میں اور (اسی خیال کے مطابق) ایک مسلمان اپنی مسجد میں۔۔ بلکہ یوں کہئے کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر کے کسی کونے میں یا پہاڑ کے کسی غار میں۔۔ اپنے طور پر قائم کر سکتا ہے۔ ایسا کرنے سے مذہب کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد یہ لوگ اپنی عملی تمدنی زندگی میں اپنے اپنے ہاں کی سیاست کے مطابق کام کرتے ہیں۔ یہ تو ہے مذہب کا تصور۔ لیکن اس کے برعکس، ''دین'' خدا اور بندے کے درمیان کسی پرائیویٹ تعلق کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی کا ایک ضابطہ اور نظامِ حیات ہے جو انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔''

ایک اور فرق:۔ جب دین، مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو حقوق اللہ اور حقوق العباد اور، جرم و گناہ کے تصورات بھی بدل جاتے

ہیں۔ دین میں حقوق اللہ اور حقوق العباد اور پھر، گناہ اور جرم میں کوئی فرق نہیں ہوتا، یہ ایک ہی چیز ہوتے ہیں۔ لیکن مذہب میں حقوق اللہ اور حقوق العباد، اور جرم اور گناہ الگ الگ چیزیں قرار پا جاتی ہیں۔ آج ہمارے ہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد اور جرم و گناہ کے الگ الگ مروجہ تصورات، دین کے مذہب میں تبدیل ہو جانے کی وجہ سے موجود ہیں (موءلف)۔

مذہب اور دین کا تقابل: ۔طلوعِ اسلام جون ۱۹۷۹ء۔ص۔۴۱: ''یہ عجیب بات ہے کہ جب دین، اس طرح مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو، یہ نہیں ہوتا کہ اس میں کچھ جزوی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں یا مذہب، دین کی پست سطح کا نام ہو۔ یہ دونوں بالکل ایک دوسرے کی ضد بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے مدِ مقابل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے مذہب اور دین کا تقابلی مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ:۔

مذہب، کائنات کی ہر شے پر منہ بسورنا اور تیوریاں چڑھانا سکھاتا ہے۔	دین اعلان کرتا ہے کہ: مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (7:32)۔ وہ کون ہے جو زیب و زینت کی چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔
مذہب، موت کی سسکیاں ہے۔	دین، زندگی کے قہقہے۔
مذہب، ایک خوابِ پریشاں ہے۔	دین، زندہ حقیقت۔
مذہب ہر جدت (نئی چیز) کو گناہ قرار دیتا ہے۔	دین کہتا ہے کہ: کل یوم ھو فی شان۔ زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے جدت طرازی عین تقاضائے حیات ہے۔
مذہب، انسانی بستیوں کو قبرستانوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔	دین، قبرستانوں میں صورِ اسرافیل پھونک کر، مردوں کو حیاتِ تازہ عطا کر دیتا ہے۔
مذہب، انسانیت کی موت ہے۔	دین ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
	دین دمِ جبرائیل ۔۔۔۔۔۔ دین دلِ مصطفٰے
	دین خدا کا رسول ۔۔۔۔۔ دین خدا کا کلام
	دین فقیہِ حرم ۔۔۔۔۔۔۔۔ دین امیر جنود
	دین ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام

دین کے مضراب سے ، نغمۂ تارِ حیات
دین سے نورِ حیات ، دین سے نارِ حیات

(اصل اشعار میں ''دین'' کی بجائے ''عشق'' کا لفظ ہے)۔ یہ ہوتا ہے دین، جو مذہب میں تبدیل ہو کر انسانیت کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اس لئے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو سچ کے نقاب میں پیش کرتا ہے۔ مذہب بھی یہی کرتا ہے۔ وہ دین کے الفاظ، اصطلاحات، رسوم و مناسک کو اسی شکل میں قائم رکھتا ہے لیکن ان کی روح نکال دیتا ہے۔ یہی دین کے وہ بے روح خدوخال ہیں جن سے مذہب عوام کو دھوکا دیتا ہے۔۔۔ مذہب، درحقیقت دین کی ممی شدہ لاش کا نام ہے۔''

ممی شدہ لاش:۔ طلوعِ اسلام جون ۱۹۷۳ء۔ ص۔۴۳:۔ ''خدا کی طرف سے انسانوں کو دین ملتا ہے۔ لیکن انسانی خیالات کی آمیزش اسے مذہب کی پست سطح پر لے آتی ہے۔ اس سے اتنا ہی نہیں ہوتا کہ دین نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، اس سے قوم بہت بڑے فریب کا شکار ہو جاتی ہے۔ مذہب، دین کے الفاظ اور اصطلاحات کو برقرار رکھتا ہے لیکن ان کے معانی مسخ کر کے ان کا مفہوم بدل دیتا ہے۔ وہ دین کے ارکان و اساتین کی شکل و صورت علیٰ حالہٖ قائم رکھتا ہے لیکن ان کی روح نکال دیتا ہے۔ قوم، دین کی ان ممی شدہ لاشوں کو زندہ اور زندگی بخش پیکر سمجھ کر ان کی پرستش کرتی اور اس فریب میں مبتلا رہتی ہے کہ ہم دین کا مقصد پورا کر رہے ہیں۔ مذہب وہ گئوسالۂ سامری ہوتا ہے جسے مفاد پرست گروہ تراش کر، قوم کے ذوقِ عبودیت کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے۔ وہ اس سے قوم کو نہ صرف اس فریب میں مبتلا کرتا ہے بلکہ اس کی گرہوں کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں (بدقسمتی سے) جو کچھ اسلام کے نام پر کہا اور کیا جاتا ہے، وہ اسی فریبِ قلب اور طلسمِ نگاہ کا مظہر ہے۔ یہ وہ غیر اسلامی تصورات و نظریات اور بے جان مناسک و مشارب ہیں جن کے ساتھ لفظ ''اسلام'' کا لیبل چپکا کر انہیں عین دین بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے۔''

طلوعِ اسلام مئی ۱۹۷۵ء۔ ص۔۲:۔ ''دین کے خلاف سب سے بڑی، موثر اور کامیاب سازش یہ ہوتی ہے کہ اسے مذہب میں تبدیل کر دیا جائے۔ ایک مسلمان اگر اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لے تو وہ کافر کہلاتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ اس کے برعکس، اگر وہ مسلمان رہتے ہوئے، وہ سب کچھ کرے جسے مٹانے کے لئے دینِ خداوندی آیا تھا، لیکن مذہب کے عقائد اور شعار کا پابند رہے تو نہ صرف یہ کہ وہ مسلمان کا مسلمان رہے گا بلکہ پکا دین دار، متقی، پرہیزگار اور اس سے آگے بڑھ کر، عالمِ دین، مثیلِ انبیائے بنی اسرائیل، وارثِ منبرِ رسول اللہ ﷺ کہلائے گا۔ اور اگر وہ طریقت کی وادیوں کی طرف چلا جائے تو مقرّبِ بارگاہِ خداوندی تصور ہوگا اور مغزِ دین کا رمز آشنا۔ یہ اس لئے کہ مذہب کی ٹیکنیک یہ ہے کہ وہ دینی عناصر کے پیکروں کو علیٰ حالہٖ رکھتا ہے لیکن ان سے دین کی روح نکال لیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے ظہورِ قدسی کے وقت دینِ خداوندی کی یہی حالت ہو چکی

تھی۔ وہ مختلف مذاہب میں تبدیل ہو کر اپنی معنویت اور حقیقت کھو چکا تھا۔ حضور ﷺ نے وحیٔ خداوندی کے مطابق دین کو اس کی حقیقی صورت میں متشکل کیا اور مذہب کے فریب کا پردہ چاک کر دیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس دین کے خلاف بھی وہی سازش ہوئی اور یہ بھی مذہب میں تبدیل کر دیا گیا۔ ہم صدیوں سے اس مذہب کے پرستار چلے آ رہے ہیں۔'' (اس سلسلہ میں ''سلیم کے نام'' خطوط کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ مؤلف)۔

☆.....☆.....☆

مذہب میں مشینی عمل:۔ طلوعِ اسلام جولائی ۱۹۸۱ء صفحہ نمبر ۱۴:۔ ''مذہب کی دنیا میں پہنچ کر یہ رسوم پرستی اور ہی گل کھلاتی ہے۔ ''الدین'' زندگی کے حدود متعین کرتا ہے۔ جن کے اندر رہتے ہوئے فرد کو فکر و عمل کی آزادی ہوتی ہے۔ اس کے لئے، اسے اپنے لئے آپ فیصلہ کرنا اور اس فیصلے کی ذمہ داری قبول کرنا ہوتا ہے۔ اسے دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ فیصلہ ان مقاصد کی سمت ایک قدم ہے جسے ''الدین'' نے متعین کیا ہے۔ اور وہ مقصد ہے: مایَنفع الناس۔۔۔ (۱۳/۱۷)۔ ''جو نوعِ انسان کے لئے منفعت بخش ہو۔'' اس سے اس فرد کی ذات میں بھی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے، اور اس کے معاشرہ میں بھی نکھار پیدا ہوتا ہے۔ لیکن مذہب میں اس کی آزادی اور خود فیصلہ لینے کی صلاحیت کو کچل کر رکھ دیا جاتا ہے۔ آپ فقہ کی کسی کتاب کو اٹھا کر دیکھئے۔ اس میں انسان کے ایک ایک قدم کے لئے متعین ''شرعی احکام'' منضبط ملیں گے۔ بیٹھو اس طرح۔ اٹھو اس طرح۔ چلو اس طرح۔ سوؤ اس طرح۔ کھاؤ اس طرح۔ پیئو اس طرح۔ غسل اس طرح کرو۔ بیت الخلاء میں یوں جاؤ۔ حتیٰ کہ اس میں میاں بیوی کے جنسی اختلاط کے لئے بھی قواعد وضوابط ہوں گے۔ ان قواعد وضوابط کی پابندی میکانکی طور پر کی جائے گی۔ کیونکہ ان سے مقصد، ان کی پابندی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ کہ جو شخص جتنا زیادہ ان احکام کا پابند ہوگا، وہ اتنا ہی زیادہ: عبوساً قمطریراً۔۔۔ قسم کی چوبِ خشک بن جائے گا۔ جس میں انسانی زندگی کی لوچ اور لچک کا شائبہ تک نہیں ہوگا۔'' ''اس قسم کی بن جاتی ہے ''فطرت'' ان لوگوں کی جو احکامِ شریعت کی پابندی اس طرح کرتے ہیں۔ پھر، چونکہ یہ اپنے آپ کو بے حد متقی اور پرہیزگار سمجھتے ہیں، اس لئے ان میں بے حد تکبر اور نخوت پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ساری دنیا سے خفا رہتے ہیں اور دوسروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کی نگاہ میں فاسق و فاجر، جہنم کے کندے ہوتے ہیں۔ اس سے وہ عجیب قسم کی مخلوق بن جاتے ہیں۔ جن میں نہ زندگی کی لطافت ہوتی ہے، نہ انسانیت کی لچک۔ بیوروکریٹس کی طرح ان کی بھی اپنی الگ برادری ہوتی ہے۔ جس طرح اُن کے ہاں (D.F.A) اور (P.U.C) کے سوا کوئی موضوعِ گفتگو نہیں ہوتا، ان کے ہاں بھی ساری زندگی ''مکروہ اور مباح'' کی بحثوں میں سمٹ سمٹا کر رہ جاتی ہے۔ اور ان کے فتووں میں انسانی زندگی کہیں بار نہیں پاتی۔ یہ انسان نہیں، قرآن کے الفاظ میں ''خشب مسندۃ'' بن کر رہ جاتے ہیں۔''

مذہب اور سیاست:۔ طلوعِ اسلام نومبر ۱۹۷۰ء۔ ص۔ ۲۱:۔ ''مذہب انفرادی رہتا ہے تو جہالت اور توہم پرستی کا موجب بنتا ہے، لیکن

جب وہ منظّم ہوکر سیاست کا روپ دھار لیتا ہے تو انسانیت کا گلا گھونٹنے کے لئے، اس سے زیادہ شدید اور مہیب استبدادی پنجہ کوئی اور نہیں ہوتا۔ یورپ کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ عیسائیت جب تک انفرادی مذہب رہی، مسلکِ خانقاہیت اختیار کئے رہی۔ لیکن جب اس نے منظّم کلیسا کی شکل اختیار کر لی تو جو کچھ انسانوں کے ساتھ ہوا، تاریخ کے رنگین اوراق اس کی بین شہادت ہیں۔ انبوہ در انبوہ مخالفین کو زندہ جلایا گیا۔ ان کی کھالیں کھنچوائی گئیں۔ زبانیں کاٹی گئیں۔ ہونٹ سیئے گئے۔ انہیں پھانسیوں پر لٹکایا گیا۔ ایک ایک عضو کاٹ کر، انہیں تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ تنگ و تاریک غاروں میں عمر بھر کے لئے محبوس رکھا گیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ کتابیں جلائی گئیں، مسودات تلف کئے گئے۔ ان کے گھر بار نذرِ آتش کئے گئے۔ ان کے بال بچوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اربابِ کلیسا کی سبعیت و بربریت کی دہشت سے، عوام تو ایک طرف، سلطنتیں اور حکومتیں بھی لرزاں و ترساں رہتی تھیں۔ یہ ہوتا ہے منظّم مذہب، سیاست کے پیرہن میں۔''

طلوعِ اسلام ستمبر ۱۹۷۹ء۔ ص۔۲ (لمعات)۔ ''اس باب میں دو آراء نہیں ہوسکتیں کہ انتشار اور اختلاف مملکتوں کو لے ڈوبتے ہیں۔ یہ اختلافات بالعموم سیاست کے پیدا کردہ ہوتے ہیں لیکن جب سیاسی مقاصد کو مذہب کا نقاب اوڑھا دیا جائے تو ان اختلافات کی نہ صرف شدت بڑھ جاتی ہے، بلکہ یہ مٹ ہی نہیں سکتے۔ کھُلی ہوئی سیاست میں، سیاسی پارٹیاں اپنے منشور بدلتی رہتی ہیں۔ لائحہء عمل میں تبدیلی کرتی رہتی ہیں۔ لوگ پارٹیاں بھی بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن مذہب میں کسی قسم کی تبدیلی کفر اور ارتداد کا موجب قرار پاتی ہے۔ نماز میں زیرِ ناف ہاتھ باندھنے اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کا تعلق مذہب سے ہے۔ یہ اختلاف قیامت تک رفع نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی سیاسی پارٹی کے منشور میں یہ شق داخل ہو جائے کہ اس کے ممبر وہی ہو سکتے ہیں جو سینے پر ہاتھ باندھیں تو یہ پارٹی کسی دوسری پارٹی سے اس باب میں مفاہمت ہی نہیں کر سکتی۔ اس لئے ان کے اختلافات مٹ ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا، کسی قوم میں مستقل انتشار موجود رکھنے کے لئے اور کسی مملکت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کی سیاست کو مذہب کے ساتھ ملوث کر دیا جائے۔ (ہم ''مذہب'' کہہ رہے ہیں۔ دین نہیں۔ دین میں تو اختلافات اور تفرقہ رہ ہی نہیں سکتا)۔''

☆.....☆.....☆

دین اور دنیا الگ:۔ **طلوعِ اسلام**۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۷۷ء۔ (لمعات):۔ ''یہ نظام (الدین)، اسلام کے صدرِ اوّل میں رائج تھا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ نظام باقی نہ رہا۔ بالفاظِ دیگر، اُس وقت دنیا میں مسلمان تو رہے لیکن ''الدین'' نہ رہا۔ ایسے حالات میں، جو کچھ ''دین'' کے نام پر کیا جاتا ہے، اسے ''مذہب'' کہتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر، صدرِ اوّل کے بعد، اسلام ''دین'' کی بجائے ''مذہب'' بن گیا۔ مذہب میں ہوا یہ کہ:۔ (۱)۔ عقائد، عبادات، شخصی قوانین الگ ہو گئے (انہیں مذہبی امور کہہ لیجئے) اور امورِ سیاست الگ۔ اس

طرح دین اور سیاست میں ثنویت (دوئی) پیدا ہوگئی۔(۲)۔ مذہبی امور، مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں دے دیئے گئے، اور امورِ سیاست، مملکت نے اپنے ہاتھ میں رکھ لئے اس طرح امت میں دو ''مملکتیں'' قائم ہوگئیں۔(۳)۔ چونکہ مذہبی امور کے لئے کوئی مرکزیت (سنٹرل اتھارٹی) نہ تھی، اس لئے اُمت میں مختلف فرقے پیدا ہوگئے۔ ان میں ہر فرقہ کے عقائد اور عبادات بھی الگ الگ ہوگئے اور ضابطہء شریعت بھی الگ الگ۔ (اسے فقہ کہا جاتا ہے)۔ چونکہ ہر فرقہ اپنے جداگانہ تشخص کو قائم رکھنا چاہتا تھا اس لئے مختلف فرقوں میں عصبیت اور کشیدگی کا پیدا ہونا اور برقرار رہنا لازمی تھا۔ اس کے لئے ہر فرقہ نے دوسرے فرقوں پر کفر کے فتوے عائد کرنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ اب یہ حالت ہے کہ کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں جس پر کفر کا فتویٰ نہ لگ چکا ہو۔ نہ ہی کوئی فرقہ اپنے عقائد، مسلک اور فقہ میں ذرا سی تبدیلی پیدا کرنے کے لئے تیار ہے۔۔۔ تبدیلی پیدا کرنا تو ایک طرف وہ ایسی بات سننے تک کے لئے بھی تیار نہیں۔ وہ ایسی تبدیلی کو کفر اور ارتداد سمجھتا ہے۔ ان تصریحات کی روشنی میں سوچئے کہ مسلمانوں میں، مذہب کی موجودہ شکل (یعنی فرقوں کو) برقرار رکھتے ہوئے کسی طرح بھی ''الدین'' کا نظام نافذ ہوسکتا ہے (جس کی تفصیل پہلے دی جا چکی ہے)۔ آپ دیکھیں گے کہ ہمارا موجودہ ''مذہب'' اور ''الدین'' ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس میں مذہب اور سیاست کا الگ الگ رہنا ناگزیر ہے۔ ملوکیت میں یہی شکل تھی جس پر ہماری مذہبی پیشوائیت صدیوں تک مطمئن رہی۔ جب کسی بادشاہ نے مذہب کے دائرے میں قدم رکھنے کی کوشش کی، اس کے خلاف انہوں نے یہ کہہ کر احتجاج کیا کہ یہ مداخلت فی الدین ہے لیکن بادشاہت (Institution of Kingship) کو کبھی خلافِ اسلام قرار نہیں دیا۔ ہمارے علمائے کرام، ان بادشاہوں کے درباروں میں ممتاز مناصب پر سرفراز رہے۔ بادشاہ امیر المومنین ہوتا تھا اور یہ شیخ الاسلام۔

جمہوریت کا فریب:۔ لیکن موجودہ زمانے میں ملوکیت کے خلاف لہر اٹھی تو اقوامِ مغرب کو خطرہ لاحق ہوا کہ مسلمانوں کو کہیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد نہ آجائے۔ اور یہ از سرِ نو ''الدین'' کا نظام قائم کرنے کی طرف رُخ نہ کر لیں (جس میں انہیں اپنی موت نظر آتی تھی) انہوں نے ان کے کان میں یہ افسوں پھونک دیا کہ ''جمہوریت'' عین مطابقِ اسلام ہے۔ چونکہ اس نظام میں مذہب اور سیاست میں ثنویت (علیحدگی) بدستور قائم رہتی ہے اس لئے مسلم اقوام نے اسے لپک کر اپنا لیا۔ چنانچہ اب دنیا بھر کے مسلم ممالک میں یا ملوکیت کا نظام ہے اور یا مغربی نظامِ جمہوریت۔ ان حالات میں علامہ اقبالؒ کی منفرد آواز تھی جس نے مسلمانوں کو ''الدین'' کے نظام کو دوبارہ قائم کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اپنی بصیرتِ فرقانی سے، صدیوں کے بعد، پہلی بار، مسلمانوں پر یہ حقیقت واشگاف کی کہ:۔

(۱)۔ جس مسلک کو صدیوں سے اسلام سمجھا جا رہا ہے وہ ''الدین'' نہیں۔ ''مذہب'' ہے۔

(۲)۔ اُمتِ مسلمہ اگر اسلام کا احیاء چاہتی ہے تو اسے ''مذہب'' چھوڑ کر ''الدین'' اختیار کرنا ہوگا۔

(۳)۔ مغربی جمہوریت خالصۃً ابلیسی نظام ہے جس میں غیر متبدل اقدارِ خداوندی کا تصور تک نہیں۔

''الدین'' اور مغربی نظامِ جمہوریت کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں:۔

مسلماں فقرو سلطانی بہم کرد ضمیرش باقی و فانی بہم کرد
ولیکن الاماں از عصرِ حاضر کہ سلطانی بہ شیطانی بہم کرد''

(ارمغانِ حجاز)

☆.....☆.....☆

اسلام دین ہے:۔ طلوعِ اسلام جنوری ۱۹۷۸ء۔ص۔ ۱۱۔۱۰:۔ ''مذہب، خدا اور انسان کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اسے پرائیویٹ تعلق کہا جائے گا، اسے ماپنے، تولنے، پرکھنے کا کوئی خارجی معیار نہیں ہوگا۔ اس کے متعلق کہا یہ جائے گا کہ اس سے انسان کو اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اطمینانِ قلب وہ ذاتی اور داخلی کیفیت ہے جسے نہ کوئی دوسرا شخص دیکھ سکتا ہے، نہ محسوس کر سکتا ہے۔ اسی لئے اس کیفیت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ:۔ ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی۔۔ دنیائے مذاہب میں کہا جاتا ہے کہ یہ اطمینان (ہندوؤں کی اصطلاح میں) ایشور پرماتما کی پوجا پاٹ یا بھگتی سے مل جاتا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں اسے (worship) کہا جاتا ہے۔ مجوسی (ایرانی زرتشتی) اسے پرستش کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس کے لئے، پوجا پاٹ یا پرستش کے چند فرائض کی ادائیگی یا چند مخصوص شعائر کی بجا آوری کافی ہوتی ہے۔ دنیاوی معاملات سے اسے کچھ واسطہ نہیں ہوتا۔ وہ دنیاداری کے طریقوں کے مطابق طے پاتے ہیں۔۔۔ جس اسلام کو خدا نے نازل کیا اور جسے اس کے آخری رسول (نبی اکرم ﷺ) نے دنیا کو دیا تھا، وہ دین تھا، مذہب نہیں تھا۔ (مذہب کا تو لفظ تک قرآن مجید میں نہیں آیا)۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ (3:19)۔ خدا کے نزدیک (یعنی اس کا متعین اور عطا فرمودہ) ''الدین''، اسلام ہے۔ دوسری جگہ ہے: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۚ (3:85)۔ جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا تو خدا کے ہاں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ دین کے معنی ہوتے ہیں۔ نظامِ حیات، ضابطۂ زندگی۔ اور جب اسے ''الدین'' (یعنی خدا کی طرف سے عطا کردہ دین) کہا جائے گا تو اس کے معنی ہوں گے۔ وہ نظامِ حیات جسے قوانین و اقدارِ خداوندی کے مطابق قائم اور متشکل کیا جائے۔ عام فہم الفاظ میں کہا جائے گا کہ اسلام وہ طریق ہے جس کے مطابق انسان کو اپنی (انفرادی اور اجتماعی) زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ انسان کسی خاص ضابطہ یا قوانین کے مطابق زندگی، اپنی آزاد مملکت ہی میں بسر کر سکتا ہے۔ اگر کسی مملکت میں ضوابط اور قوانین غیر خداوندی رائج ہوں تو وہاں اسلام کے مطابق زندگی بسر کی ہی نہیں

جاسکتی۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم نے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے، ایک آزاد مملکت کا ہونا شرطِ اوّلیں قرار دیا ہے۔'' (اس سے آگے ''آیہء استخلاف'' کی تشریح ہے جسے ''نظریہء اسلامی مملکت'' کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ مئولف)۔

آزاد مملکت کی ضرورت:۔ طلوعِ اسلام اکتوبر ۱۹۷۱ء۔ ص۔۱۹: ''مذہب خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا نام ہے جس کا اظہار پوجا پاٹ یا دیگر رسوم وشعائر کی شکل میں ہوتا ہے۔ اسے امورِ مملکت سے کچھ واسطہ نہیں ہوتا۔ مملکت اپنا کاروبار سیکولر انداز سے سرانجام دیتی رہتی ہے۔ اور مذہب پرستوں کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے اپنے طریق پر، ایشور کی پوجا پاٹ یا خدا کی بندگی اور پرستش کرتے رہیں۔ لیکن اسلام، مذہب نہیں، دین ہے۔ اور دین کے معنی ہوتے ہیں وہ نظامِ خداوندی جس کے مطابق امورِ دنیا سر انجام دیئے جائیں۔ یہ وجہ ہے کہ مذہب تو ہر مملکت میں، اور ہر قسم کی حکومت کے تحت، زندہ رہ سکتا ہے، لیکن اسلام ایک زندہ حقیقت صرف اس صورت میں بن سکتا ہے جب اس کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں وہ احکامِ خداوندی کو قانون کی حیثیت سے نافذ کر سکے۔ اسی لئے قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ، خدا کے عطا کردہ اصولِ حیات اور نظریاتِ زندگی کی صداقت کو تسلیم کر کے، اس کے متعین فرمودہ پروگرام کے مطابق کام کریں گے، انہیں مملکت مل جائے گی جس کا مقصد یہ ہوگا:۔ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم (۲۴/۵۵)۔ کہ وہ اس میں اپنے دین کو متمکن (Establish) کر سکیں۔ لہٰذا، اسلامی مملکت، دنیا کی دیگر مملکتوں کی طرح ایک مملکت نہیں ہوتی۔ یہ ذریعہ ہوتی ہے ''دین'' کو متمکن کرنے کا۔ اور یہی اس کی وہ انفرادی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے یہ دنیا کی دیگر مملکتوں سے منفرد اور متمیز ہوتی ہے۔''

طلوعِ اسلام جنوری ۱۹۷۰ء۔ ص۔۱۴: ''رسول، ایک امت کی تشکیل کیوں کرتا تھا۔ مذہب کے متعلق عام تصور یہی ہے کہ اس سے بندے اور خدا کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس تعلق کو قائم رکھنے کے لئے انسان خدا کی پرستش، پوجا، بندگی کرتا ہے اور یہ سب کچھ انفرادی طور پر ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے کسی جماعت یا امت کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ یہ ٹھیک ہے۔ مذہب کا تصور یہی ہے۔ لیکن خدا کی طرف سے ''دین'' عطا ہوتا ہے، مذہب نہیں۔ (''مذہب'' کا تو لفظ تک قرآن میں نہیں آیا)۔ اور دین ایک ہیئتِ اجتماعیہ کا نام ہے جس میں احکام وقوانینِ خداوندی کی اطاعت، ایک نظام کے ماتحت کی جاتی ہے۔ اسے اسلامی مملکت کہا جاتا ہے۔ نبیء اکرم ﷺ نے جو مملکت قائم کی تھی تو وہ، نہ تو یونہی، اتفاقیہ طور پر مل گئی تھی، اور نہ ہی (عام تصور کے مطابق) سیاسی ضروریات کا تقاضا تھی۔ یہ مملکت اس لئے وجود میں آئی تھی کہ سیاسی تمکن کے بغیر (یعنی اپنی آزاد مملکت کے بغیر) دین، ایک زندہ حقیقت بن ہی نہیں سکتا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ (اور تو اور) اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے لئے بھی قرآن، تمکن فی الارض کو لازمی شرط قرار دیتا ہے۔ سورہء حج میں ہے: اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَلِلّٰہِ

عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (22:41)۔ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ملک میں تمکن حاصل ہوگا تو یہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں گے اور معروف کے احکام جاری کریں گے اور منکر سے روکیں گے، غرضیکہ ان کے تمام معاملات احکامِ خداوندی کے مطابق طے ہوں گے۔'' اس دین میں اطاعت کسی انسان کی نہیں بلکہ خدا کے احکام کی ہوتی تھی۔ لیکن یہ اطاعت انفرادی طور پر نہیں ہوتی تھی، اجتماعی طور پر، ایک نظام کے تابع ہوتی تھی۔

مرکزِ ملّت کا خاتمہ:۔ حضور نبی اکرم ﷺ اس نظام یا مملکت کے سب سے پہلے سربراہ تھے، اس لئے اس اطاعت کو ''خدا اور رسول کی اطاعت'' کہا جاتا تھا۔۔۔ (یعنی احکامِ خداوندی کی اطاعت۔ اس نظام کے مرکز، نبی اکرم ﷺ کے فیصلوں کے مطابق)۔۔۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس امت کی تشکیل فرمائی اور اسلامی مملکت میں دین کے نظام کو عملاً قائم کر کے بتا دیا کہ اطاعتِ خداوندی سے مفہوم کیا ہے۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد، یہی نظام خلفائے راشدین کے زمانے میں قائم رہا۔ اب، مرکزِ ملّت، خلیفۃ المسلمین تھا اور اس کے فیصلوں کی اطاعت، ''بمنزلہ خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت'' کے تھی۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ:۔ اسلام نام ہے امتِ واحدہ کے اُس نظامِ اجتماعیہ کا،

جس میں احکام وقوانینِ خداوندی کی اطاعت، مرکزِ ملّت کے توسط سے کی جاتی ہے۔ اگر ان اساسی اجزاء میں سے کوئی ایک جزو بھی کم ہو جائے تو اسلام باقی نہیں رہتا۔ بالفاظِ دیگر:۔ (۱)۔ اگر امت میں تفرقہ پیدا ہو جائے اور اس طرح وہ امت، امتِ واحدہ نہ رہے۔ یا (۲)۔ اجتماعی نظام کی بجائے، احکامِ خداوندی کی اطاعت انفرادی طور پر کی جانے لگے۔ یا (۳)۔ اطاعت کے مراکز ایک سے زیادہ ہو جائیں۔ مثلاً سیاسی امور کے لئے الگ مرکز اور امورِ شریعت کے لئے الگ مرکز۔ تو۔۔۔ اسلام باقی نہیں رہتا۔۔ یعنی دین ''مذہب'' میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد:۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد تک، اسلام، دین کی حیثیت میں باقی رہا لیکن پھر اس میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہوا۔ میں، اس مقام پر، اس بحث میں نہیں جانا چاہتا کہ اس بگاڑ کے اسباب وعلل کیا تھے، اس کی ابتداء کس طرح سے ہوئی اور اس کے ذمہ دار کون تھے۔ یہ موضوع تفصیل طلب ہے اور طویل وقت کا متقاضی۔ میں اس وقت صرف اس بگاڑ کے عملی نتائج پیش کرنے پر اکتفاء کروں گا۔ مثلاً یہ کہ:۔

(۱)۔ پہلے، مملکت امت کی تھی۔ اب وہ مختلف خانوادوں اور ملکوں میں بٹ گئی۔۔ بنی امیہ، بنی عباس، بنی فاطمہ، ترک، مغل، افغان، ایران وغیرہ۔

(۲)۔ پہلے، مرکزِ اطاعت ایک تھا۔ پھر ثنویت پیدا ہوگئی۔ سیاسی امور، بادشاہوں نے سنبھال لئے۔ اور امورِ شریعت، مذہبی پیشوائیت نے اپنی تحویل میں لے لئے۔

(جاری ہے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دوسری قسط

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

نظریۂ اِرتقاء

Special Creation v/s Evolution

ڈاکٹر رفیع الدین نے ڈارون کے نظریے کو مندرجہ ذیل دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

اول: حقیقت ارتقاء یعنی یہ کہ ارتقاء فی الواقع ہوا ہے اور زندگی کی اعلیٰ حالتیں ادنیٰ حالتوں سے متواتر تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

دوم: سببِ ارتقاء کہ ارتقاء کا سبب قدرت کی بے مقصد کارروائیاں ہیں جنہیں ڈارون کش مکشِ حیات اور قدرتی انتخاب اور بقائے اصلح کا نام دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں حصے ایک دوسرے سے لازم وملزوم نہیں۔ اگر پہلا حصہ درست ہو تو ضروری نہیں کہ دوسرا حصہ بھی درست ہو۔ اگر ہم ایک فعل یا عمل کے وقوع کا علم رکھتے ہوں تو ضروری نہیں کہ ہم اس کے وقوع کا سبب بھی جانتے ہوں۔ مثلاً ٹرین میں سفر کرنے والے شخص کے لئے ضروری نہیں کہ وہ جانتا ہو کہ ٹرین کا انجن کیسے حرکت کرتا ہے۔ اسی طرح اگر نظریے کا دوسرا حصہ غلط ہو تو ضروری نہیں کہ پہلا حصہ بھی غلط ہو۔ اگر بعض لوگوں کو سببِ اِرتقاء کا صحیح علم نہ ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ارتقاء ہوا ہی نہیں۔ اگر کوئی شخص ریڈیائی نقلِ صوت کے اصولوں کو نہ جانتا ہو تو اسے یہ کہنے کا حق نہیں کہ لندن سے ریڈیو پر خبریں سننا ممکن ہی نہیں۔ ان کے نزدیک یہ بدنصیبی ہے کہ بعض لوگوں نے ان دونوں حصوں کو ایک دوسرے سے خلط ملط کر دیا ہے۔ یہ لوگ پہلے حصے کو جب درست پاتے ہیں تو فوراً ہی اس کے دوسرے حصے کی صحت کے بھی قائل ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ دوسرے حصے کی خامیوں سے آگاہ ہونے کے بعد پہلے حصے کو بھی مسترد کر دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے مخالفینِ ارتقاء کا زیادہ تر تعلق انہی لوگوں سے ہے۔

پہلے حصے کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ''جہاں تک محض ارتقاء کا تعلق ہے وہ دنیا کے علمی مسلمات میں شمار ہوتا ہے اور آج حکماء میں سے بمشکل کوئی ہوگا جو اس سے اتفاق نہ رکھتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈارون کے زمانے سے لے کر اب تک اس کے خلاف ایک بات بھی معلوم نہیں ہو سکی بلکہ اس کے برعکس بے شمار دلیلیں اور شہادتیں اس کے حق میں پیدا ہوئی ہیں۔ یہ شہادتیں اور دلیلیں بالخصوص معدومیات، نسبتی عضویات اور جینیات سے تعلق رکھتی ہیں''۔ ان کا کہنا ہے کہ اپنے حق میں ٹھوس علمی دلائل رکھنے کے علاوہ ارتقاء کا تصور ایک سیدھی سی بات ہے جو ہمارے مشاہدے کے عین مطابق ہے۔ آج بھی ہمارے سامنے ارتقا ہو رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حکماء اس بات پر متفق ہیں کہ تاریخ کا رخ ایک خاص منزل کی طرف جاتا ہے اور تاریخ کا عمل ایک ارتقائی عمل ہے۔ اس طرح انہوں

نے ارتقاء کے تین مرحلے بتائے ہیں۔ پہلا مرحلہ کائنات کی ابتدا سے اس کی اس حالت تک کا ہے جب اس میں زندگی کا ظہور ہوا۔ دوسرا مرحلہ پہلے زندہ حیوان (Cell) کے ظہور سے لے کر نسل انسانی کے ظہور تک اور تیسرا مرحلہ انسان کے ظہور سے لے کر انسان کی نفسیاتی تکمیل تک' یہ مرحلہ ابھی جاری ہے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ارتقاء کا تصور صحیح ہے یا غلط یعنی یہ روحِ قرآنی کے مطابق ہے یا غیر مطابق اگر یہ تصور قرآن کے مطابق ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسے اپنائیں اور اسے قرآنی تشریح اور تفسیر اور غیر قرآنی تصورات کی تردید اور ابطال کے لئے کام میں لائیں۔ اس کے برعکس اگر تدریجی ارتقاء کا تصور غلط یعنی غیر قرآنی ہے تو اسے فوراً چھوڑ دیں نہ صرف چھوڑ دیں بلکہ تدریجی ارتقا کے تصور کو علمی اور عقلی براہین سے غلط ثابت کریں۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اس کے غلط ہونے کا محض ادعا ہمارے تبلیغی مقاصد کے لئے کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ دنیا محض ہمارے دعوے کی بنا پر کسی ایسے تصور کو غلط ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگی جو علمی تحقیق سے پے در پے صحیح ثابت ہو چکا ہو۔ لہٰذا ہمارے لئے اس کے خلاف علمی اور عقلی دلائل بہم پہنچانا ازبس ضروری ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن پاک جہاں سببِ ارتقا سے منسلک تصورات کو رد کرتا ہے وہاں تدریجی ارتقاء کی کھل کر تائید کرتا ہے۔ ان کے الفاظ: ''لیکن حقیقتِ ارتقاء کا تصور دنیا کے علمی مسلمات میں ہی داخل نہیں بلکہ قرآن پر غور وفکر کرنے کے بعد ہم نہایت آسانی کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ روحِ قرآنی کے بھی عین مطابق ہے۔ یعنی ارتقاء کائنات کے حیاتیاتی مرحلہ کا ارتقاء یا اس کے کسی ایک مرحلہ کا ارتقاء نہیں بلکہ کائنات کا مجموعی ارتقاء ہے''۔ ارتقاء کے حق میں قرآنی تائید کی اِبتداء دیگر مسلم مفکرین کی طرح ڈاکٹر صاحب بھی اللہ کی صفت ''رب'' سے کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں ''اسماء حسنیٰ' خدا کی صفتِ ربوبیت کی تفسیر ہیں۔ ربوبیت کے معنی کیا ہیں؟ کسی چیز کو اَدنیٰ حالت سے ترقی دے کر اعلیٰ حالت تک پہنچانا اور ارتقاء کے معنی کیا ہیں؟ یہی کہ کوئی چیز ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت تک پہنچے۔ گویا خدا کی ربوبیت کا نتیجہ اِرتقاء ہے۔ ارتقاء کے ذریعے سے ہی خدا کی تمام صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ اور خدا کی کوئی صفت ایسی نہیں جو ارتقاء کے مقاصد سے الگ ظہور پائے''۔ علامہ پرویز نے بھی نظریہ ارتقاء کی وضاحت کا آغاز قرآن پاک کی پہلی آیت سے کیا ہے' جس میں اللہ کی صفت ''رب'' کا لفظ آیا ہے۔ پرویز صاحب کے نزدیک ''رب کے بنیادی معنے ہیں ''نشوونما دینا'' یعنی کسی چیز کو نئی نئی تبدیلیوں سے' اس لئے اور اس طرح گذارنا تاکہ وہ بتدریج نشوونما پاتی ہوئی اپنے نقطہ آغاز سے تکمیل تک پہنچ جائے۔ یہ طریقِ نشوونما ربوبیت کہلاتا ہے اور اس طرح نشوونما دینے والے کو ''رب'' کہا جاتا ہے۔ اس طریق میں اصلاح' درستگی اور استحکام کے پہلو بھی مضمر ہوتے ہیں''۔ پرویز صاحب کو رب کا ترجمہ 'Lord' کرنے پر بھی اعتراض ہے۔ ان کے الفاظ میں ''اس لفظ لارڈ سے کسی طرح بھی وہ مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا جو لفظ رب کے اندر پوشیدہ ہے..... کہاں اشیائے کائنات کو نشوونما دیتے ہوئے انہیں ان کے نقطۂ آغاز سے مقامِ تکمیل تک پہنچانے والا اور اس طرح انہیں ارتقائی مراحل میں سے گذارتے ہوئے ان کی مضمر صلاحیتوں کو مشہود

کرنے والا اور کہاں "Lord"۔

اسلام میں تصورِ ربوبیت حیات و کائنات کے ارتقاء کی سب سے بڑی اور محکم دلیل ہے اسی لئے ارتقاء کے قائل اکثر مسلم مفکرین نے اس قرآنی تصور سے اپنے موقف کی وضاحت میں مدد کی ہے۔ خلیفہ نصیرالدین نے بہت ہی خوبصورت انداز میں لفظ رب کی وضاحت کی ہے۔

"The quality of being "Rabb" implies a process of nourishment providing from age to age all that creation needs to attain the fullest possible development."

آگے چل کر کہتے ہیں کہ ایک بچے کی پرورش کرتی ہوئی ماں اللہ کی اس صفتِ ربوبیت کی ایک اچھی مثال ہے۔ ربوبیت صرف تخلیق کرنے کا ہی نام نہیں بلکہ ربوبیت اس صفت کا نام ہے جو خلق کی ضرورت کو بروقت اور صحیح مقدار میں پورا کرے تاکہ اس کے بڑھنے، ترقی کرنے اور ارتقاء حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ علی موسیٰ رضا مہاجر لفظ رب کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کی شانِ ربوبیت سے قانون ارتقا کی وضاحت ہوتی ہے۔

"Rabb" Conveys the meaning of one who creates a thing and then develops it, taking if from stage to stage in order that it might attain of its full stature of perfection. "Rabubyat" is anoher expression of the law of evolution."

خلیفہ عبدالحکیم کہتے ہیں:۔

"The essential quality of life is growth to attain an end, all life is goal seeking. A living God, Therefore must manifest himself as a sustainer and a developer."

سید اللہ بخش گیلانی کہتے ہیں ''رب کے معنی پرورش کرنے والا' نشوو ارتقا بخشنے والا، ابتدائی حالت سے ترقی دے کر اعلیٰ حالت اور تکمیل تک پہنچانے والا کے ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں ارتقا عطا کرنے والا''۔ مختصر الفاظ میں اسلام کے لئے تصورِ ارتقاء کوئی نئی اور عجیب بات نہیں بلکہ ایک ایسا ہمہ گیر اور جامع اصول ہے جس کا فطرت اور قدرت کے ہر پہلو پر یکساں اطلاق ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی راہنمائی کے لئے اسے حیات و کائنات کے رموز سے آگاہ کیا ہے۔ اور اسے اس کی ابتدا و ارتقا کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ قرآن پاک میں اصولِ ارتقا کو قانونِ الٰہی کے طور پر پیش کیا گیا ہے 6-32:5۔ ڈاکٹر آصف اعوان نے خطباتِ اقبال کی تشریح و توضیح کی غرض سے علامہ اقبال کے تصورِ ارتقاء پر اپنا ڈاکٹریٹ کا تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔ اس میں آیات

مندرجہ بالا کے ضمن میں لکھتے ہیں ''غلام احمد پرویز ''مطالب الفرقان'' میں مذکورہ بالا آیات کے حوالے سے لکھتے ہیں ''تدبیر (خدا کی اسکیموں) کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنی مضمر شکل میں علم اِلٰہی کی بلندیوں پر ہوتی ہیں۔ جب ان میں سے کسی اسکیم کو بروئے کار لانا مقصود ہوتا ہے تو قانونِ مشیت کے مطابق زمین کی پستیوں سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر وہ اسکیم اپنے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے اپنے مقامِ تکمیل کی طرف اٹھتی جاتی ہے۔ یہ مراحل بڑے بڑے طویل المعیاد وقفوں میں طے ہوتے ہیں جن میں ایک ایک وقفہ (Period) تمہارے حساب وشمار کی رو سے ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس خدا کے قانون کے مطابق ہوتا رہتا ہے جو ہر چیز کی موجودہ شکل سے بھی واقف ہے اور اس کے مضمر ممکنات سے بھی۔ اس کا قانونِ مشیت اتنی قوت رکھتا ہے کہ وہ ہر شے کو مناسب نشوونما دے کر اس کے نکتۂ تکمیل تک پہنچا دے''۔ گویا ارتقاء ایک ایسا قانونِ قدرت اور اصولی نظام ہے جس کا اطلاق ہر چیز پر ہوتا ہے۔ کوئی شے بڑے بڑے ارتقائی مراحل سے گذرے بغیر حیات کے اگلے مراحل میں داخل نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ارتقاء شعبدہ بازی نہیں بلکہ تدریجی ترقی کا نام ہے''۔ مندرجہ بالا آیات 32:5-6 میں ایک یوم کو ہزار سال کا ظاہر کیا گیا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ایک یوم کو پچاس ہزار سال سے ظاہر کیا گیا ہے 70:4۔ دراصل عربی زبان میں لفظ یوم ہمارے ہاں کے ایک دن کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور طویل دور کے لئے بھی۔ ظاہر ہے یہاں اور فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ 32:4۔ میں یوم اَیام سے مراد وہ دن نہیں جو ہمارے ہاں زمین کی گردش سے بنتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین لکھتے ہیں۔ ''یہاں ہزار سال کے الفاظ ایک ریاضیاتی اصطلاح کے طور پر استعمال نہیں ہوئے بلکہ ایک محاورے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں جن سے مراد ایک طویل مدت ہے''۔ ڈاکٹر موریس بقائی نے بھی اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور یوم کو ایسے طویل وقفے کہا ہے جن کے مقابلہ میں ''دنوں'' کی اکائیاں مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں۔

بنیادی لحاظ سے کائنات میں ارتقائی عمل کے دو مراحل ہیں۔ ان میں پہلا مرحلہ خود کائنات کا ارتقاء اور دوسرا زندگی کا ارتقاء (اس میں انسان اور اس کی نفسیاتی زندگی بھی شامل ہیں) ان دونوں مرحلوں کی بنیاد اللہ کی تخلیق اور تربیت (ربوبیت) ہیں۔ نظریہ ارتقاء کے ناقدین ارتقائی عمل کو تخلیق سے الگ سمجھتے ہیں۔ جناب یحییٰ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ''ارتقاء کے ذریعے چیزیں قدیم شکل سے نئی شکل میں آتی ہیں''، لیکن یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ ارتقائی عمل میں بھی تخلیق کا بنیادی کردار ہے ان کے الفاظ میں ''جاندار بذریعہ ارتقاء وجود میں نہیں آئے بلکہ انہیں تو تخلیق کیا گیا ہے''۔ ان کا یہ دعویٰ بالکل درست ہے بلکہ ارتقائی عمل کی ابتدا ہی کسی چیز یا جاندار کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے۔ لیکن تخلیق اور ارتقاء کو ایک دوسرے سے الگ کر کے اللہ کی صفتِ خالقیت کو ماننا اور اس کی صفتِ ربوبیت سے انکار کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ بقول ڈاکٹر رفیع الدین قرآن اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی طرف توجہ دلانے کے لئے اس کی ربوبیت کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ 2:21، 23:12-14، 76:1-2۔ ان کے نزدیک ربوبیت عین تخلیق ہے۔ ''خداوند تعالیٰ تخلیق کے ہر مرحلہ کو بھی جو تربیت (ربوبیت) سے حاصل ہوتا ہے، تخلیق ہی کہتا ہے۔ گویا تخلیق اور تربیت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ رحم مادر میں وہ جنین کی تربیت کا ذکر

کرتا ہے لیکن جب وہ تربیت مکمل ہو جاتی ہے تو اسے ''خلق'' اور ''احسن تخلیق'' کا نام دیتا ہے۔ 23:12-14۔ رب اور ربوبیت پر پہلے بھی بات ہو چکی ہے۔

سلسلۂ کائنات کی ابتداء اور اس کے تدریجی ارتقاء کے متعلق قرآن کریم کے اصولی نظام کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس بنیادی اصول کی تفصیلات قرآن پاک میں دیگر مقامات پر بیان کی گئی ہیں۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ کائنات کی موجودہ شکل یکدم نہیں آ گئی بلکہ اس کی تخلیق چھ ادوار میں متنوع منازل سے گذر کر موجود سطح پر آئی ہے۔ 57:3‘ 10:3‘ 22:4-5‘ 11:7‘ 5:38‘ 25:59۔ ایام کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے کہ یہ معینہ مدت نہیں۔ اس سے مراد لاکھوں‘ کروڑوں سال پر محیط طویل دور (Period) ہے۔ ان آیات میں تقریباً ایک ہی مضمون میں کائنات کی تخلیق کو بیان کیا گیا ہے مثلاً ''تمہارا نشو ونما دینے والا وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ مراحل میں پیدا کیا ہے اور اس کے بعد اس کا مرکزی کنٹرول اپنے دستِ قدرت میں رکھا۔ اس کے قانون کے مطابق باقی آسمانی کروں کی طرح کرہ ارض بھی اس طرح گردش (Rotate) کرتی ہے کہ رات کی تاریکیاں دن کو ڈھانپ لیتی ہیں (اور پھر یوں نظر آتا ہے کہ دن‘ رات کے پیچھے لپکا چلا آ رہا ہے۔ اور سورج‘ چاند اور تمام آسمانی کرے اس کے قانون کے مطابق اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یاد رکھو عالم خلق اور عالم امر سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل میں مصروف کار ہیں۔ کس قدر بابرکت ہے وہ ذات جس نے کائنات کی نشو ونما کے لئے ایسا محیر العقول انتظام بنا رکھا ہے‘ 7:54۔ کائنات کی تخلیق کے دو ادوار جنہیں قرآن کریم یومین (دو ادوار) کہتا ہے وہ بھی چھ ادوار میں شامل ہیں ان ادوار میں ابھی تک زندگی کی نمود نہیں ہوئی تھی۔ سائنسدانوں نے انہیں 'Azoic era' کا نام دیا ہے۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر 41:9,12 میں ہوا ہے۔ باقی چار ایام میں زندگی کی نمود ہوئی اور زندہ اشیا بمعہ انسان ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے آگے بڑھتی گئیں 41:10۔

قرآن پاک میں کائنات کی ابتدائی شکل وصورت کا بھی مجازاً اور استعارتاً ذکر آیا ہے۔ ''اسی طرح خدا نے اپنی توجہ اجرام فلکی کی طرف منعطف کی اس وقت وہ دھویں کی شکل میں تھے 41:11 ''کیا قانونِ خداوندی سے انکار کرنے والے دیکھتے نہیں کہ آسمانی کرے اور زمین پہلے آپس میں ملے ہوئے تھے اور ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے 21:31۔ دھویں کے اندر گیس بھی ہوتی ہے اور ٹھوس مادی ذرات بھی جو انتہائی گرم ماحول میں مائع شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور یہ کہ از روئے قرآن کائنات میں مختلف کرے جو اس وقت ارتقائی عمل سے گذرنے کے بعد الگ الگ دیکھائی دیتے ہیں ابتدائی دور میں یہ سب ایک ہی ہیولا (Nebula) تھے جو بعد میں الگ الگ ہوئے۔ قرآن کریم میں ایسے سینکڑوں انکشافات موجود ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت کسی انسان کے ذہن میں موجود نہیں تھے۔ ''پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟'' ڈاکٹر موریس بقائی درج بالا آیات کی تشریح یوں کرتے ہیں ''(1) نہایت چھوٹے ذرات پر مشتمل ایک گیسی مرغولہ کے وجود کا ذکر‘ کہ یہی وہ

بات ہے جس کے ذریعے لفظ دھویں (عربی میں دخان) کی توضیح وتشریح کی جاسکتی ہے۔ دھواں عموماً ایک گیسی تہہ اور کم وبیش مستحکم تعلق کی حالت میں ذرات سے مرکب ہوتا ہے''۔(2) ایک سادہ سے مادہ میں، جس کے عناصر ابتداء میں باہم گتھے ہوئے تھے (رتق) ایک دوسرے سے جدائی کا حوالہ''۔ کائنات میں تدریجی ارتقاء کی ایک جھلک دیکھائی گئی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی تاریخی شہادتیں پیش کرنے کے بعد فرمایا گیا۔'' تم سلسلۂ کائنات اور خود اپنی پیدائش پر غور کرو اور دیکھو کہ پیدائش کے اعتبار سے تم زیادہ سخت اور مستحکم ہو یا ان فضائی کروں کی پیدائش زیادہ مشکل ہے۔ خدا نے ان عظیم کروں کو فضا میں بلند کیا اور پھر ان میں ایسا اعتدال اور توازن رکھ دیا کہ وہ اپنے فرائض نہایت استحکام کے ساتھ ادا کر رہے ہیں۔ پھر اسی نے ان کی رات تاریک بنائی اور ان کی روشنی نکالی۔ پھر اس نے ہیولیٰ سے زمین کو الگ کر کے یوں دور پھینک دیا جس طرح گوپئے سے پتھر پھینکا جاتا ہے۔ پھر اس نے زمین کے مادہ سے پانی الگ کیا اور خشکی کے قطعات سے نباتات نکالے۔ پھر زمین کے اسی مادہ سے بڑے بڑے محکم پہاڑوں کو ابھارا۔ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان زیست پیدا کرنے کے لئے کیا''۔ 79:27-33۔

مندرجہ بالا آیاتِ مقدسہ میں تخلیقِ کائنات کے تدریجی مراحل کو سلسلہ وار بیان کیا گیا ہے۔ ان آیات میں بڑے دلچسپ پہلو پائے جاتے ہیں مثلاً رفع' سمکھا' فسوھا' اخراج ضعھا' واغطش لیلھا' ماء ھا' مرعھا اور والجبال ارسھا۔ ڈاکٹر عبدالودود نے ان الفاظ کی بڑی تفصیل سے وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ ان الفاظ کے بارے میں اب تک کی سائنسی تحقیقات کیا ہیں؟ مثلاً واغطش لیلھا کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس اندھیری رات کا تعلق ہماری فضا سے نہیں بلکہ یہ خلاء میں واقع ہے کیونکہ یہاں مسلسل ذکر آسمانی کروں کا ہو رہا ہے۔ اس حقیقت کا پہلا ثبوت 1961ء میں اس وقت سامنے آیا جب روسی خلاباز گگارین زمینی فضا کو پار کر کے خلاء میں پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جس طرح زمین سے ہمیں آسمان نیلگوں نظر آتا ہے وہاں ایسا نہیں بلکہ چاروں طرف گہرا اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ ''یہ Phenomenon (مظہر فطرت کہ آسمان میں گہرا اندھیرا چھایا ہے لیکن اسی اندھیرے میں زمین وچاند دونوں نظر آرہے ہیں۔ یہ ایک مسحور کن شے تھی لیکن انسان جب قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو جھوم جھوم جاتا ہے جس میں چودہ صدیاں پہلے یہ کہا گیا''۔ ان آیات میں زمین کے لئے ''دحھا'' کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مادہ دح و ہے اور معنی ہیں پھیلا دینا' زور سے پرے پھینک دینا جس طرح گھومنے والے گوپئے سے پتھر نکل کر دور چلا جاتا ہے۔ اس میں اہم بات یہ ہے کہ گو پیا خود بھی تیزی سے گھوم رہا ہے اس میں پتھر بھی گول ہے (چپٹا پتھر اس سے نہیں پھینکا جاسکتا) اور اس سے نکلنے والے پتھر کی دہری حرکت ہوتی ہے یعنی یہ اپنے مدار پر بھی سفر (Revolution) کر رہا ہوتا ہے اور خود اپنے محور پر بھی گھوم (Rotation) رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا زمین کی حرکت سے اس کی تشبیہہ درست بیٹھتی ہے۔ ڈاکٹر بقائی کے مطابق قرآن پاک کی صرف یہ آیت ہے جس میں تخلیق کے مختلف واقعات کے درمیان ایک واضح تطابق دیکھائی دیتا ہے۔

علامہ اقبالؒ اپنے پہلے خطبے میں کائنات کے بارے میں کہتے ہیں۔ ''یہ کوئی جامد کائنات نہیں، نہ ایسا مصنوع جس کی تکمیل ہو چکی ہو اور جو بے حرکت اور ناقابلِ تغیر اور تبدل ہو۔ برعکس اس کے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باطن میں ایک نئی آفرینش کا خواب پوشیدہ ہے۔ اور اسکی ترکیب بھی اس طرح ہوئی ہے کہ اس میں مزید وسعت کی گنجائش ہے۔ اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق کائنات میں نئے نئے تخلیقی اضافے کر رہا ہے 35:1''۔ پانچویں خطبے میں طویل گفتگو کے بعد ارتقاء کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کو یوں بیان کرتے ہیں۔ ''بہرحال اسلامی فکر نے جو راستہ بھی اختیار کیا اس کی انتہا جس پہلو اور جس رنگ میں بھی دیکھئے کائنات کے حرکی (Dynamic) تصور پر ہوئی اور پھر جسے ابن مسکویہ کے اس نظریے سے کہ زندگی عبارت ہے ایک ارتقائی حرکت سے، مزید تقویت پہنچی، علیٰ ہذا ابنِ خلدوں کے نظریۂ تاریخ سے''۔ ان کے نزدیک ابنِ خلدوں کا مقدمہ سراسر اس روح سے معمور ہے جو قرآن مجید کی بدولت اس میں پیدا ہوئی۔ ''وہ اقوام وامم کے عادت وخصائل پر حکم لگاتا ہے تو اس میں بھی زیادہ تر قرآن ہی سے استفادہ کرتا ہے 98-9:97، 49:6''۔ وہ مزید فرماتے ہیں ''لیکن پھر اس سلسلے میں غور طلب امر قرآن کریم کا وہ مطمحِ نظر ہے جو اس نے زندگی کے بارے میں قائم کیا ہے اور جس میں اس کی نگاہیں جمود کی بجائے حرکت پر رہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جس کتاب کا مطمحِ نظر ایسا ہوگا اس کی روش ارتقاء کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے''۔ علامہؒ طوسی کے مکانِ کثیر الابعاد میں حرکت کے تصور کے تذکرے کے بعد فرماتے ہیں:۔

''بہرحال بیرونی پہلا شخص ہے جس نے جدید ریاضیات کے تصورِ تفاعل (Function) کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے خالص علمی نقطہ نظر سے ثابت کیا کہ کائنات کا یہ نظریہ کہ ہم اسے ایک وجودِ ساکن ٹھہرائیں بڑا ناقص ہے۔ لیکن یہ پھر فکرِ یونانی سے انحراف کا نتیجہ تھا، کیونکہ تفاعل کا تصور اس امر کا متقاضی ہے کہ زمانے کو کائنات کا جزوِ لازم ٹھہرایا جائے۔ بیرونی ثابت کو متغیر قرار دیتا اور کائنات کو بنی بنائی شے کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایسی شے سمجھتا ہے جو ابھی بن رہی ہے، یعنی اس کی نگاہیں کون کی بجائے تکوین پر ہیں''۔ یہاں علامہ اقبالؒ، بیرونی کا حوالہ دے کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ نظریہ ارتقاء کا بانی، جیسا کہ جناب یحییٰ سمجھتے ہیں، ڈارون نہیں بلکہ ابتدائی دور کے مسلمان مفکرین بھی اپنے نکتہ نظر کے تحت اس معاملے میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ حضرت علامہؒ بھی ارتقاء کے مادی اور مکانکی تصور کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اس کے برعکس تخلیقی ارتقاء کے قائل ہیں اسی وجہ سے وہ برگسان کے نقطہ نگاہ کو تعریفی انداز سے دیکھتے ہیں۔

اقبالؒ کے اس ارتقائی تخلیقی تصور میں کوئی شے ایسی نہیں جو ساکت اور جامد ہو اور ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہے۔ وجود'' کی تقویم کا راز'' ہی ''ذوقِ پرواز'' میں پوشیدہ ہے۔ اقبالؒ تخلیقی ارتقاء کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے علمِ بسیط کی وضاحت میں کہتے ہیں۔ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ مستقبل خدا کی نامیاتی تخلیقی زندگی (organic whole of God's creative life) میں پہلے سے موجود ہے۔ تاہم خدا کے علمِ بسیط میں مستقبل کی موجودگی کھلے امکانات کی صورت میں ہے۔ ایسا نہیں کہ مستقبل مقررہ اوقات اور مخصوص خدوخال کے حامل حوادث پر مبنی متعینہ نظام کی صورت میں موجود ہو۔ اگر ایسا ہو تو پھر تازہ آفرینی، خلاقی اور ارتقاء پذیری سب

تصورات بے معنی ہو جاتے ہیں اور خدا کے بارے میں اس قسم کا تصورِ علم اسے اس تخلیقی ارتقائی سرگرمیوں سے عاری اور محروم کر دے گا جو دراصل اس کا وصفِ اول ہے''۔ یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید..... کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون۔ میرے خیال میں حضرت علامہؒ نے یہاں عالمِ امر کا حوالہ دیا ہے۔ خدا کے تخلیقی پروگرام میں عالمِ امر اور عالمِ خلق کے دو مراحل ہیں۔ دونوں پر اللہ کا مکمل کنٹرول ہے۔ انسان کو اللہ نے صرف محسوسات عالمِ (عالمِ خلق) کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے اس لئے وہ عالمِ امر کے احوال وواقعات کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتا۔ ہم یہ نہیں جان سکتے کہ خدا کیسے ارادہ (کُن) کرتا ہے۔ وہاں اللہ کا پروگرام کیسے مرتب ہوتا ہے۔ اشیائے کائنات کے لئے قوانین وضوابط کس طرح بنائے جاتے ہیں۔ وہاں خدا کا تخلیقی پروگرام کیسے طے پاتا ہے؟ یہ تمام امور انسانی علم سے ماوراء ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اختیار وارادہ کے مطابق جیسا چاہے کرتا ہے 22:14' 11:107۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس قسم کا چاہے فیصلہ کرتا ہے 5:1۔ اس سے یہ پوچھا بھی نہیں جا سکتا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ اس کے سوا ہر ایک سے پوچھا جا سکتا ہے 21:23۔ البتہ جب کوئی شے اللہ کے امر کے مطابق عالمِ خلق (مادی کائنات) میں آ جاتی ہے تو وہ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین وضوابط (پیمانوں) کی پابند ہو جاتی ہے 33:38۔

علامہؒ کے خیال میں ارتقائی حرکت دولابی (cyclic) یا جدلیاتی (Dilectic) انداز کی حامل نہیں ہوتی کیونکہ اس طرح کی ارتقائی حرکت سے جدت اور نئے پن کا عنصر مفقود ہو جاتا ہے اور تخلیقی عمل کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ارتقاء دراصل ایک مرحلے سے دوسرے اعلیٰ مرحلے میں قدم رکھنے کا نام ہے۔ علامہ ثاقب رزمی نے اپنی کتاب ''سائنسی فکر اور ہمعصر زندگی'' میں نظریہ ارتقاء کی بڑی خوبصورت تشریح کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ''نظریہ ارتقاء نے فطرت اور معاشرہ کے ارتقاء کو ثابت کیا۔ فطرت اور معاشرے میں کوئی چیز دائمی وجامد نہیں۔ ہر چیز تغیر کے پراسس میں ہے کیونکہ مسلسل آگے بڑھنے والی حرکت ہی کائنات کا قانون ہے۔ ارتقاء ایک میکانکی عمل نہیں بلکہ ایک تخلیقی عمل ہے جس کے تحت فطرت اور معاشرے میں ہر لحظہ خوب سے خوب تر کی تخلیق ہو رہی ہے''۔ ارتقاء کے مادی تصور کو علامہؒ نے مسترد کر دیا تھا۔ مادے کا تعلق علم طبعیات (Physics) سے ہے جو کہ تجربی علم ہونے کی حیثیت سے عالمِ محسوسات کا مطالعہ کرتا ہے۔ مادہ میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جنہیں ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں۔ اس میں مظاہرِ فطرت وقدرت اور خود انسان بھی شامل ہے۔ مادہ کے پرانے روایتی تصور کو سب سے کاری ضرب آئن سٹائن کے نظریۂ عمومی اضافیت کے ہاتھوں لگی۔ آئن سٹائن نے ابدی اور جامد مادے کے تصور کو ختم کر کے ثابت کیا کہ مادہ اگرچہ حقیقی ہے جو زیادہ تر انرجی پر مشتمل ہے لیکن مشاہد کی نسبت سے اس کی ہستی اضافی ہے۔ علامہؒ بھی جدید سائنسی نظریات کی مدد سے مادہ کے قدیم جامد وساکت تصور کو رد کرتے ہوئے مادہ کے حرکی ارتقائی اور ہر دم تخلیقی بہاؤ کے حامل تصور تک پہنچتے ہیں۔ اقبالؒ کے نزدیک پروفیسر وائٹ ہیڈ بھی نیچر کو کوئی ایسی جامد شے نہیں سمجھتے جو خلاء میں معلق ہو بلکہ فطرت واقعات کے ایسے مربوط نظام کا نام ہے جس میں ایک مسلسل تخلیقی بہاؤ

ہے۔ ہماری عقل چونکہ نظامِ فطرت کو بہ حیثیت کل مشاہدہ کرنے سے قاصر ہے اور اس مربوط واقعاتی نظام تک اس کی رسائی نہیں جو دراصل مادہ کی تخلیقی اور ارتقائی حرکت کو ظاہر کر سکے۔ چنانچہ یہ نظامِ فطرت کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیتی اور انہیں غیر متحرک محسوس کرتی ہے۔ اقبالؒ مغرب کے اس قدیمی تصور سے مایوس ہیں کہ انسان اپنے ارتقاء کی جس منزل میں ہے اس سے آگے ترقی اور ارتقاء کی کوئی منزل نہیں۔ مغرب کے نزدیک ظاہریت اور مادیت کے علاوہ کوئی اور منتہا یا مقصود یا حیات بعد الموت کا تصور نہیں۔ اقبالؒ اس کے مقابلے میں قرآنی تصورِ ارتقاء کا ذِکر کرتے ہیں جو انسان کے مستقبل کے متعلق نہ صرف مایوسی اور ذہنی اضطراب کو ختم کرتا ہے بلکہ اسے حیاتِ ابدی کی بشارت بھی دیتا ہے۔

ارتقاء کا ہمہ گیر سلسلہ کائنات کی تخلیق کے فوری بعد شروع ہو گیا تھا۔ جدید سائنسی نظریات کے مطابق اس مادی عالم کی ابتداء تقریباً 1347 بلین سال قبل بگ بینگ سے ہوئی تھی۔ اس نظریے پر گذشتہ نوے سال سے بحث و مباحثے کے نتیجے میں متعدد تصورات قائم کئے گئے ہیں جن میں سے چند کا ذِکر میں بگ بینگ کے مضمون میں کر چکا ہوں۔ یہاں مختصراً عرض کروں گا کہ اس نظریے کی پیشین گوئی ایک روسی سائنسدان ڈاکٹر فرائیڈ مین نے کی تھی۔ بعد میں ایک سابقہ باکسر اور بعد میں معروف ماہر فلکیات ایڈون ہبل نے 1929ء میں اپنے مشاہدات کو کتابی شکل دے کر ثابت کر دیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ یہاں خیال پیدا ہوا کہ اگر کہکشائیں ایک دوسرے سے دور ہٹ رہی ہیں تو یقیناً ماضی میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں گی اور ان کے درمیان فاصلہ صفر ہوگا۔ یوں بگ بینگ کے تصور کو تقویت ملی۔ اس کے بعد ایک اور روسی سائنسدان جارج گیمو نے گرم بگ بینگ کا تصور دے کر پیشین گوئی کی کہ انتہائی گرم کائنات سے خارج ہونے والی شعاع کاری (فوٹون کی شکل میں) اب بھی موجود ہونی چاہئے گو اس کا درجہ حرارت مطلق صفر (-273C) سے چند درجے ہی اوپر ہوگا۔ اس شعاع کاری کو 'Cosmic background Microwave Radiation' کہا جاتا ہے اور دو امریکی ماہرینِ فلکیات مسٹر ولسن اور مسٹر پینز بیاس نے 1962ء میں زمین پر دریافت کر کے بگ بینگ نظریے کو ثابت کر دیا۔ اس کے بعد 1992ء میں اسے خلاء میں بھی دریافت کر لیا گیا تھا۔ ماہرینِ کونیات کے مطابق ابتداء میں کائنات کا سارا مادہ، ساری توانائی اور سارے کا سارا خلاء ایک ریاضیاتی نقطے پر مرکوز تھا۔ ریاضیاتی نقطے سے مراد کوئی ایسی شے جس کا حجم صفر ہو یعنی حجم نہ ہو۔ بالفاظ دیگر ریاضیاتی نقطہ نہ ہونے یا ''عدم'' کی ترجمانی کرتا ہے۔ یعنی کائنات عدم سے وجود میں لائی گئی۔ اس نقطے کی کثافت لامتناہی تھی۔ بگ بینگ والے لمحے کو صفر وقت T=0 بھی کہا جاتا ہے اسٹیفن کا بگ بینگ کے بارے میں ایک اپنا نقطہ نظر ہے جس کا ذِکر میں گذشتہ مضمون میں کر چکا ہوں۔ تاہم بگ بینگ پر ان کی تحقیقات کی اہمیت کو کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔

بگ بینگ کے بعد کائنات کا سارا مادہ جو اس وقت ایک ابتدائی گیسی حالت میں تھا، پھیلنا شروع ہو گیا۔ یعنی ارتقاء کا آغاز ہو گیا۔ اسی ارتقاء کے دوران مادے کے بنیادی ذرات یعنی الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران وغیرہ وجود میں آئے۔ تاہم مادے کے انتہائی گرم

ہونے کی وجہ سے یہ ابھی آزاد حالت میں تھے۔ کیونکہ بہت زیادہ درجہ حرارت پر ایٹم اپنے سارے کے سارے الیکٹرانز سے محروم ہوجاتے ہیں ان کے صرف مرکزے (Nuclei) باقی رہ جاتے ہیں ایسی صورت میں کوئی کیمیائی عمل ممکن نہیں رہتا۔ اسٹیفن کے مطابق بگ بینگ کے وقت کائنات کی جسامت صفر سمجھی جاتی ہے۔ یعنی لامتناہی طور پر گرم رہی ہوگی۔ مگر کائنات کے پھیلنے کے ساتھ شعاعی درجہ حرارت (Temperature of radiation) کم ہوتا گیا اور بگ بینگ کے ایک سیکنڈ کے بعد یہ تقریباً دس ارب درجے تک گر گیا ہوگا اور ایک سو سیکنڈ کے بعد درجہ حرارت ایک ارب ڈگری تک گر چکا ہوگا۔ اور چند ہی گھنٹوں کے اندر ہیلیم اور دوسرے عناصر کی پیداوار رک گئی ہوگی۔ جب درجہ حرارت چند ہزار درجے تک گر گیا ہوگا تو الیکٹرانز اور دیگر نیوکلائی (Nuclei) اتنی توانائی کے حامل نہیں رہے ہوں گے کہ اپنے درمیان برقی مقناطیسی کشش پر قابو پا سکیں اس لئے ان عناصر نے ایک دوسرے کے تعامل سے ایٹم تشکیل دینے شروع کر دیئے ہوں گے۔ اگلے ارتقائی مراحل میں ایٹموں نے یک جا ہو کر اولین ستاروں کی شکل اختیار کی اور اربوں ستارے باہمی کششِ ثقل کی وجہ سے جھرمٹوں کی صورت میں آ گئے۔ یہ تھیں اولین کہکشائیں جن میں ستاروں کے علاوہ گرم پلازما والے گیسی بادل بھی تھے۔ انہیں سحابیہ (Nebula) کہا جاتا ہے۔ ٹھیک بگ بینگ کے لمحے (T=0) پر سارے کے سارے قوانین ہمارا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں جسے واحدانیت (Sigularity) کہا جاتا ہے یعنی قوانینِ فطرت اپنے بارے میں پیشین گوئی کئے جانے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتے ہیں یا یہ قوانین اس وقت بھی حسبِ معمول کارفرما رہتے ہیں' اس بارے میں سائنسدانوں کے درمیان بحث کا سلسلہ جاری ہے۔ اسٹیفن کا خیال ہے کہ صرف نظریہ اضافیت کی رو سے کائنات کی ابتداء کو مکمل طور پر نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ یہ نظریہ انتہائی چھوٹے پیمانے پر مبنی مادے کے ڈھانچے کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ یہاں کوانٹم تھیوری کے قوانین لاگو ہوتے ہیں۔

بگ بینگ کے بارے میں مختلف سائنسدانوں نے مختلف تعریفیں (Definitions) اور مختلف تصورات وضع کئے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ لیکن ایک بات پر سب متفق ہیں کہ ارتقاء کا آغاز یہاں سے ہی ہوتا ہے بلکہ ارتقاء کے ناقدین میں بھی اکثر ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ جناب فاروق یحییٰ نے تو اپنی کتاب میں بگ بینگ کا ذِکر ہی نہیں کیا' البتہ جناب فتح اللہ نے ارتقاء کا مخالف ہونے کے باوجود بگ بینگ اور دیگر سائنسی نظریات پر بڑی مفید بحث کی ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ کائنات اور انسان سے متعلقہ قرآنی آیات کا بڑے مؤثر انداز میں ذِکر کیا ہے۔ بگ بینگ کا جائزہ لیتے ہوئے ایک جگہ اس کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

"Allah originated the universe out of naught i.e from 'nothing' to a point with infinite density and pressure or might i.e singulanity and zero volume and then shaped it and fashioned it from smoke like substance into the universe with innumerable galactic systems, their innumerable stars and planets

including the earth."

وہ سورہ ذاریات کی ایک آیت کا حوالہ دے کر، جس میں وسعت پزیر کائنات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، لکھتے ہیں 51:47۔

"The sense contained in the above holy verse is directly understandable. It means that the universe is built with might and that it is expanding in all directions."

جناب فتح اللہ نے ایسی درجنوں آیات کا حوالہ دیا ہے جو تخلیق اور تدریجی ارتقاء کو لازم وملزوم قرار دیتی ہیں۔ یہ علیم وخبیر، اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ قوانین ہیں جن کے مطابق ہر شے کی تخلیق ہوتی ہے اور بذریعہ ارتقاء اس کی تکمیل ہوتی ہے۔

اللہ وہ ہے جس کا علم پوری کائنات کو محیط ہے 2:256۔ فتح اللہ صاحب نے اللہ کی ہمہ گیر اور انتہائی کامل صفات کو یوں بیان کیا ہے۔

"Allah is the Omnipresent, the Omniscient, the Omnipotent, the Omnificent, the Omnific, the living, the eternal, the One and the doer of what he will.

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

ضرورتِ رشتہ

ایک صاحب جو کہ گریڈ 17 کے گورنمنٹ ملازم ہیں، عمر 47 سال ہے، پہلی بیوی سے چار بچے ہیں جو کہ ساتھ رہتے ہیں، کے لئے قرآنی فکر کا حامل رشتہ مطلوب ہے۔ ذات پات، جہیز اور اعلیٰ تعلیم وغیرہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔

درجِ ذیل نمبر پر رابطہ کیا جاسکتا ہے: موبائل: 0334-6300811

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شہریار خان

احادیث کی جدید جمع آوری

مسلمانوں کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ جدید دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کا سبب دین اسلام سے دور ہٹنا ہے' اس لیے انہوں نے دین کی اصل تعلیمات کی طرف پلٹنے کو اس کا مداوا تجویز کیا ہے۔ لیکن بعض علما جدید دور کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اسلام کی نئی تشریح' جو اس کے روح کے مطابق ہو' اس مسئلے کا حل سمجھتے ہیں۔ موخرالذکر میں ترکی کی وہ کاوش بھی شامل ہے جو اس نے پانچ سال پہلے شروع کی۔ ترک حکومت نے فیصلہ کیا کہ ترک عوام کو اسلام کے بارے میں صحیح آگہی کے لیے احادیث کا جاننا ضروری ہے۔ اس کام کا بیڑہ مذہبی امور کے ڈائریکٹوریٹ ''دیانت'' نے اٹھایا۔ ان کے مطابق احادیث کی پہلے سے موجود کتابوں کو عام لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ قدیم کتب کے علاوہ جدید تشریحاتی کتابوں پر بھی یہ اعتراض اٹھا کہ یہ ترک عوام کے دینی مسائل کا حل نہیں پیش کر رہیں کیونکہ ان میں سے اکثر دوسرے ممالک میں چھپتی ہیں اور بعد میں ترکی زبان میں ترجمہ کی جاتی ہیں۔ ترک حکومت کے خیال میں اس طرح کی تشریحی کتابیں جہاں چھپتی ہیں وہیں کے مخصوص سیاسی' سماجی اور جغرافیائی حالات کی ترجمانی کرتی ہیں جو ترک معاشرے کے لئے موزوں نہیں۔ اس لیے ''دیانت'' نے احادیث کا ایک ایسا مجموعہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا جو جدید عصری اور ترکی کے خصوصی حالات کو پیش نظر رکھے۔ کئی ہزار احادیث سے اخذ کردہ احادیث کو سلیس ترکی زبان میں ایک عام آدمی کی دینی ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھ کر ایک کتاب کی شکل میں چھاپنا مقصود تھا۔ ''دیانت'' کے نائب صدر محمت گورمیز کے مطابق اس وقت کل احادیث کی تعداد تقریباً ایک لاکھ انسٹھ ہزار (159000) ہے لیکن ان کی ایک بڑی تعداد مکرر ہے۔ اگر ان احادیث کو نکال دیا جائے تو یہ تعداد بیس ہزار (20000) رہ جاتی ہے۔ گورمیز کی رائے میں ایک حدیث ایک بڑی تصویر کا ایک حصہ ہوتا ہے' اس لیے سب ٹکڑوں کو ملا کر تصویر کو دیکھنا چاہئے۔ یہ کام جدید ٹیکنالوجی خاص کر کمپیوٹر کے ذریعے بڑی آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ دیانت کا دعویٰ ہے کہ ان کا احادیث کو جمع کرنے کا طریقہ کار جدید سائنسی اصولوں کے مطابق ہے۔ ''دیانت'' کو یہ ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کیونکہ ان کا خیال ہے کہ بہت سی احادیث کا پیغمبر ﷺ کے زمانے اور عرب کے مخصوص جغرافیے سے تعلق ہے' اس لیے احادیث میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کے معنی ترک لوگوں کے لیے سمجھنا مشکل ہے' لہٰذا ایسی احادیث کی روح کے مطابق ان کی آسان زبان میں تشریح ہونی چاہئے۔

یہ کام انتہائی حساس نوعیت کا تھا' اس لیے اسلامیات کے پروفیسرز جو پی ایچ ڈی ڈگری کے حامل تھے کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اب یہ منصوبہ تقریباً مکمل ہو چکا ہے اور زیر طبع ہے۔ عنقریب احادیث کی یہ نئی کتاب مارکیٹ میں آ جائے گی۔ لیکن اس پر تنقید کا سلسلہ

شروع ہی سے جاری ہو گیا ہے۔ کچھ علما کے مطابق احادیث کی یہ نئی تشریح دین میں تحریف کے مترادف ہے' کیونکہ اسلام کی تعلیمات زمان ومکان کے قیود سے آزاد ہیں اس لیے کسی نئی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس نئی کتاب کے حامی علما کا خیال ہے کہ احادیث کی نئی تشریح اس لیے ضروری ہے کہ ترکی اکیسویں صدی میں ایک جدید ملک کی حیثیت سے داخل ہو چکا ہے۔ ترکی میں حکومتی نظام سیکولرزم اور جمہوریت پر مبنی ہے جبکہ معاشرہ اسلامی ہے' اس لیے اس معاشرے کی ضروریات کے مطابق احادیث کی روح کے مطابق نئی تشریح کی ضرورت ہے۔ مثلاً ان کے خیال میں کچھ احادیث ایسی ہیں جو صرف پیغمبر اسلام ﷺ کے دور کے لیے مخصوص تھیں جن میں اس وقت کے معاشرتی تقاضوں کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ لیکن اب اس کی ضرورت نہیں' اس لیے ایسی احادیث کو اس کتاب میں شامل نہیں کیا گیا جو ان کے مطابق صرف اس وقت کے لیے تھیں۔ ناقدین کے مطابق اسلام میں اپنی مرضی کی چیزیں اپنانے اور ترک کرنے سے دین کو نقصان پہنچے گا اور اسلام کی روح کے منافی فعل سرزد ہو گا۔

انقرہ یونیورسٹی کے اسلامک سٹڈیز کے ایک پروفیسر شابان علی دزگن کا خیال ہے کہ عام طور پر آئمہ حدیث بہت ساری احادیث کی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں جن کی جانچ ایک عام آدمی نہیں کر سکتا کیونکہ ہر آدمی کی رسائی ان کتابوں تک نہیں ہوتی۔ اس لیے ایک کتاب کی موجودگی میں وہ صرف اسی کتاب کا حوالہ دیں گے اور عام لوگ بھی اس کی تحقیق کر سکیں گے۔ اس کتاب میں خواتین کے بارے میں ایک باب میں لکھتے ہیں کہ اسلام کے آغاز میں خواتین مساجد میں جایا کرتی تھیں اور روزگار کے لیے بھی گھروں سے باہر نکلتی تھیں۔ اسی طرح ایک باب میں لکھا ہے کہ علم کا حصول اسلامی فریضہ ہے اور یہ مرد اور عورتوں دونوں کے لیے یکساں لازم ہے۔ اس منصوبے کے دفاع میں اس کے ڈائریکٹر محمت اوزاسفر کہتے ہیں کہ وہ دین میں کوئی تبدیلی نہیں لا رہے بلکہ اس کو وقت کے تقاضوں اور ترک کلچر کے آئینے میں آسان اور سلیس بنا رہے ہیں تا کہ ہر کسی کو دین کی تفہیم میں آسانی ہو۔ ان کے مطابق اسلام ہر ملک میں مقامی کلچر کے ساتھ خلط ملط ہوتا ہے اس لیے ترکوں کو اپنی ضروریات کے مطابق سوچنا چاہئے۔ ترکوں کی سوچ باقی مسلمان دنیا سے مختلف ہے اور وہ دین کے لغوی معنوں کے پیچھے نہیں جاتے۔ باقی دنیا میں مسلمان لغوی معنوں میں الجھ چکے ہیں جب کہ ضرورت دین کی روح کو سمجھنے کی ہے۔ دیانت کے مطابق اسلام ہر دور کے مسائل کا حل دیتا ہے لیکن یہ تب ہوتا ہے جب علما نئے دور کے چیلنجز کے مطابق اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق نئی تشریحات کرتے ہیں۔ ترک معاشرہ عثمانی خلافت کے دور میں بھی مذہبی رواداری اور اعتدال پسندی کے لئے مشہور تھا اور اب بھی ترک معاشرہ دین پر بحث کرنے سے نہیں کتراتا۔ ترکی کے علاوہ اس منصوبے میں عرب ممالک خاص طور پر مصر کے علما کافی دلچسپی لے رہے ہیں اور اس کو خوش آئند فعل قرار دیتے ہیں۔

ایک مسلمان معاشرہ ہونے کے باوجود ترکی میں دین اسلام پر ترک علما کی لکھی ہوئی مستند کتابوں کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ترکی نے جمہوریہ بننے کے بعد سیاسی اسلام کو دبانے کی کوشش کی۔ کمالسٹ طاقتوں نے اسلام کو زیرِ زمین جانے پر مجبور کیا' لیکن اس کا ایک نقصان یہ ہوا کہ ترکی میں اسلامی لٹریچر کا کافی فقدان ہو گیا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے باہر سے کتابیں منگوا

کران کے تراجم کرائے گئے لیکن غیر ترکی اسلامی لٹریچر نے بھی ترک حکام کی پریشانیاں بڑھا دیں' کیونکہ یہ کتابیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سیاسی اسلام اور حکومتوں کے خلاف پرتشدد احتجاج کو جائز قرار دے رہیں تھیں۔ اس طرح کے نظریات نے ترک حکومت کے لیے خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ اس لیے ترک حکومت نے عوام کو اسلامی تعلیم دینے کی ذمہ داری خود اٹھائی اور سکولوں میں بنیادی اسلامی تعلیم رائج کی۔ آج کل پوری اسلامی دنیا مذہبی منافرت کی لپیٹ میں ہے۔ مذہبی رجعت پسندی بھی عروج پر ہے۔ مسلمان دنیا میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی اور مذہبی منافرت نے ترک حکومت کو عملی اقدام کرنے پر مجبور کیا ہے۔ احادیث کی یہ کتاب بھی ایسی ہی ایک کاوش نظر آ رہی ہے۔ کیا اس کاوش سے اسلام کو فائدہ ہوگا یا نقصان؟ اس کے بارے میں تو کوئی مذہبی سکالر ہی رائے دینے کا مجاز ہے۔

☆.....☆.....☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم' لقمان' السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب' سبا' فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰسٓ	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	350/-	سورہ الصّٰفّٰت' ص' زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن' حٰمٓ سجدہ' سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف' دخان' جاثیہ' احقاف' محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)' 25/B' گلبرگ 2' لاہور' فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جاوید احمد غامدی

ترکی میں حدیث کی تدوینِ جدید

حدیث سے متعلق کسی کام کو سمجھنے کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ دین کا تنہا ماخذ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔ آپ سے یہ دین دو صورتوں میں ہم تک پہنچا ہے: ایک قرآن، دوسرے سنت۔ یہ بالکل یقینی ہیں اور اپنے ثبوت کے لئے کسی تحقیق کے محتاج نہیں ہیں۔ انہیں مسلمانوں نے نسلاً بعد نسل اپنے اجماع اور تواتر سے منتقل کیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی ہر نسل کے لوگوں نے بغیر کسی اختلاف کے پچھلوں سے لیا اور اگلوں تک پہنچا دیا ہے اور زمانۂ رسالت سے لے کر آج تک یہ سلسلہ اسی طرح قائم ہے۔

پورا دین انہی دو میں محصور ہے اور اُس کے تمام احکام ہم اِنہی سے اخذ کرتے ہیں۔ اِس میں بعض اوقات کوئی مشکل پیش آ جاتی ہے۔ پھر جن معاملات کو ہمارے اجتہاد کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے، اُن میں بھی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے لیے دین کے علماء کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ خدا کے پیغمبر تھے، اس لیے دین کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے عالم، بلکہ سب عالموں کے امام بھی آپ ﷺ ہی تھے۔ دین کے دوسرے عالموں سے الگ آپ ﷺ کے علم کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آپ ﷺ کا علم بے خطا تھا، اس لیے کہ اُس کو وحی کی تائید و تصویب حاصل تھی۔ یہ علم اگر کہیں موجود ہو تو ہر مسلمان چاہے گا کہ قرآن و سنت کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اِسی سے رہنمائی حاصل کرے۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ علم موجود ہے اور اِس کا ایک بڑا حصہ ہم تک پہنچ گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ علم آپ ﷺ کے صحابہؓ نے حاصل کیا تھا، لیکن اس کو آگے بیان کرنا چونکہ بڑی ذمہ داری کا کام تھا، اس لیے بعض نے احتیاط برتی اور بعض نے حوصلہ کر کے بیان کر دیا۔ اِس میں دو چیزیں بھی تھیں جنہیں وہ آپ ﷺ کی زبان سے سنتے یا آپ ﷺ کے عمل میں دیکھتے تھے اور وہ بھی جو آپ ﷺ کے سامنے کی جاتی تھیں اور آپ ﷺ اُن سے منع نہیں فرماتے تھے۔ یہی سارا علم ہے جسے 'حدیث' کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت و سوانح کو جاننے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے۔ اس سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ اُسی دین کی شرح و وضاحت اور اُس پر عمل کے لیے رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا بیان ہے جو آپ نے قرآن و سنت کی صورت میں اپنے ماننے والوں کو دیا ہے۔

یہ ہم تک کس طرح پہنچا ہے؟ تاریخ بتاتی ہے کہ اسے حدیثوں کی صورت میں سب سے پہلے صحابہؓ نے لوگوں تک پہنچایا۔ پھر جن لوگوں نے یہ حدیثیں اُن سے سنیں' اُنہوں نے دوسروں کو سنائیں۔ یہ زبانی بھی سنائی گئیں اور بعض اوقات لکھ کر بھی دی گئیں۔ ایک دو نسلوں تک یہ سلسلہ اسی طرح چلا' لیکن پھر صاف محسوس ہونے لگا کہ ان کے بیان کرنے میں کہیں کہیں غلطیاں ہو رہی ہیں اور کچھ لوگ دانستہ ان میں جھوٹ کی ملاوٹ بھی کر رہے ہیں۔ یہی موقع ہے' جب اللہ کے کچھ بندے اٹھے اور انہوں نے ان حدیثوں کی تحقیق کرنا شروع کی۔ انہیں' محدثین' کہا جاتا ہے۔ یہ بڑے غیر معمولی لوگ تھے۔ انہوں نے ایک ایک روایت اور اُس کے بیان کرنے والوں کی تحقیق کر کے جس حد تک ممکن تھا' غلط اور صحیح کی نشان دہی کی اور جھوٹ کو سچ سے الگ کر دیا پھر انہی میں سے بعض نے ایسی کتابیں بھی مرتب کر دیں جن کے بارے میں بڑی حد تک اطمینان کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اُن میں جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں' وہ بیش تر حضور ﷺ ہی کا علم ہے جو روایت کرنے والوں نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ علم کی زبان میں انہیں 'اخبار آحاد' کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں صرف گنتی کے لوگوں نے بیان کیا ہے' قرآن وسنت کی طرح یہ اجماع اور تواتر سے منتقل نہیں ہوئی ہیں۔ چنانچہ بالعموم تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے' وہ درجہ یقین کو نہیں پہنچتا' اُسے زیادہ سے زیادہ ظن غالب قرار دیا جا سکتا ہے۔

حدیث کی جن کتابوں کا ذکر ہوا ہے' وہ سب اپنی جگہ اہم ہیں' مگر امام مالکؒ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی کتابیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور بہت مستند خیال کی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بڑی تحقیق کے بعد مرتب کی گئی ہیں۔ تاہم اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے مرتب کرنے والوں سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ اِس علم کے ماہرین جانتے ہیں کہ اُن سے تحقیق میں غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ اِسی بنا پر وہ حدیث کی کتابوں کو برابر جانچتے پرکھتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کسی حدیث کے بیان کرنے والوں کو اگر سیرت وکردار اور حفظ واتقان کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں پاتے یا آپس میں اُن کی ملاقات کا امکان نہیں دیکھتے یا اُن کی بیان کردہ حدیث کے مضمون میں دیکھتے ہیں کہ کوئی بات قرآن وسنت کے خلاف ہے یا علم وعقل کے مسلمات کے خلاف ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی بات نہیں ہو سکتی۔ یہ غلطی سے آپ ﷺ کی طرف منسوب ہو گئی ہے۔ یہی معاملہ ان حدیثوں کے فہم اور اِن کی شرح ووضاحت کا ہے۔ اہل علم اِس معاملے میں بھی اپنی تعبیرات اِسی طرح پیش کرتے رہتے ہیں۔

یہ کام ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔ ابھی پچھلی صدی میں علامہ ناصر الدین البانی نے اِس سلسلے میں بڑی غیر معمولی خدمت انجام دی ہے اور حدیث کی اکثر کتابوں پر از سر نو تحقیق کر کے اُن کے صحیح اور سقیم کو ایک مرتبہ پھر الگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جمہور یہ ترکی کے اہل علم نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے' اُس کی نوعیت بھی کم وبیش یہی ہے۔ اُن کے نتائج فکر وتحقیق ابھی سامنے نہیں آئے' لہٰذا اُن کے بارے میں تو کوئی رائے نہیں دی جا سکتی' لیکن کام کی نوعیت سے متعلق جو تفصیلات معلوم ہیں' اُن میں بظاہر کوئی چیز قابل اعتراض نہیں ہے۔ حدیث کی جو حیثیت اوپر بیان ہوئی ہے' اُس کو پیش نظر رکھ کر اگر اِس علم کے مسلمہ قواعد کے مطابق اُس کا جائزہ لیا جائے گا یا اُس کو

نئے سرے سے مرتب کیا جائے گا یا اُس کا مدعا سمجھنے اور اُس کے وقتی اور دائمی کو الگ الگ کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اِس میں اعتراض کی کیا بات ہوسکتی ہے؟ علم و تحقیق کا دروازہ کسی دور میں اور کسی حال میں بھی بند نہیں کیا جا سکتا۔ اِس کام میں اگر کچھ غلطیاں بھی ہوں گی تو تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ دوسرے اہل علم اپنی تنقیدات سے اُن کی نشان دہی کر دیں گے۔ علم کی ترقی کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ لوگوں کو آزادی کے ساتھ کام کرنے دیا جائے۔ نئی راہیں اسی سے کھلتی ہیں اور اگلوں نے اگر کہیں غلطی کی ہے تو اُس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ ترک اہل علم کی کاوش کو اِسی نگاہ سے دیکھنا چاہئے اور اُن لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے جو مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ادارے کی صورت میں یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اُن کا کام اگر معیار کے مطابق ہوا تو یہ ایک عظیم خدمت ہوگی اور اگر کم عیار ثابت ہوا تو بے وقعت ہو کر تاریخ کے کوڑے دان کی نذر ہو جائے گا۔ علم کی عدالت بڑی بے رحم ہے۔ وہ جلد یا بدیر اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے۔ اِس طرح کے معاملات میں اُسی کے فیصلوں کا انتظار کرنا چاہئے۔

(بشکریہ روزنامہ دُنیا لاہور

28 جون 2013ء)

☆.....☆.....☆

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

NEAR RAILWAY STATION LAHORE



ALL COMFORTS AVAILABLE

T.V. & FAX
AIR-CONDITIONED
TELEPHONE EXCHANGE

CAR PARKING
LIFT, INTERNET
EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com

بنجر پاکستان میں، باغبانی اور جنگل کاری

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے

☆ 2013ء مری میں باغبانی کی صد سالہ سالگرہ ہے

☆ پاکستان بھر کے باغبانوں، زرعی اداروں، زرعی یونیورسٹیوں اور پورے پاکستان کے محکمہ جنگلات اور محکمہ ماحولیات کے دانشور خواتین وحضرات سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ 2013ء کو

''بنجر پاکستان میں باغبانی اور جنگل کاری'' کے طور پر منائیں اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

☆ بنجر پاکستان آباد ہوگا

☆ بنجر پاکستان میں باغبانی ہوگی

☆ بنجر پاکستان میں جنگل کاری ہوگی

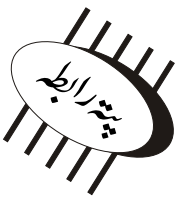
☆ روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے

☆ غربت کے خاتمہ میں مدد ملے گی

☆ ماحولیات کے لئے یہ سال بطور خاص اہمیت حاصل کرے گا

☆ جہاں مری کے باغبان اپنی صد سالہ سالگرہ منائیں گے وہاں پورے پاکستان کا ساتھ دیتے ہوئے 2013ء کو باغبانی اور جنگل کاری کے طور پر منائیں گے

☆ 100 سالہ پودہ جات میں مری کا آملہ۔ دیسی انار۔ ناکھ ناشپاتی۔ اخروٹ۔ ہاڑی۔ شہتوت۔ بٹنگی۔ پھگواڑی اور ریٹھا کے پودے شامل ہیں۔ لاہور چڑیا گھر کا برگد کا درخت سو سالہ ہے۔ دیگر معلومات درکار ہیں۔



(1) ملک حنیف وجدانی صدر باغبان ایسوسی ایشن سنبل سیّداں نیو مری

(2) صبینہ یاسمین سینئر نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن ٹبی سیّداں سوہاوہ جہلم

(3) تنویر صادق نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن میاں چنوں خانیوال

(4) ڈاکٹر حامد حسین نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن بلاک C ڈیرہ غازی خان

(5) طارق ایم ملک شعبۂ نشتر واشاعت باغبان ایسوسی ایشن چارہان نیو مری

(6) احمد نواز خان تاحیات ممبر باغبان ایسوسی ایشن گاؤں گھماواں نوانشہر ایبٹ آباد

تبصرۂ کتب

پاکستان میں غربت کیسے مٹ سکتی ہے؟

قرآن کریم نے افرادِ معاشرہ کو جن بنیادی سہولتوں کی فراہمی پر زور دیا ہے، وہ آج کل کی زبان میں روٹی، کپڑا، مکان، صحت، تعلیم، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت، مساوی مواقع کی فراہمی اور عدل ہیں۔ اس کے لئے اس نے معاشرتی نظام کے خدوخال میں بے حد اہم تبدیلیاں تجویز کی ہیں۔ اسلامی معاشرہ مؤمنین پر مشتمل ہوتا ہے جن کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان ایک معاہدہ تشکیل پاتا ہے جس کے مطابق مؤمنین کے جان اور مال اللہ تعالیٰ خرید لیتے ہیں اور اس کے بدلے میں انہیں جنت کی ضمانت دی جاتی ہے (9:111)۔ اس طرح افرادِ معاشرہ کی جانیں اور مال و دولت خدا تعالیٰ کی ملکیت قرار پاتے ہیں اور مؤمنین ان کے امین ہوتے ہیں نہ کہ مالک (2:284 ; 3:180 ; 16:53)۔ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ قوانین و اقدار کے مطابق قائم ہونے والا اجتماعی معاشرہ ہر متنفس کو رزق کی ضمانت دیتا ہے (11:6 ; 56:73 ; 90:13-16 ; 107:1-3) اور بنیادی ضرورتوں کی فراہمی اس کی ذمہ داری ہوتی ہے (20:118-119)۔ سعی و کوشش کے یکساں مواقع سب کو فراہم کرتا ہے (41:10)۔ سعی اور محنت کے ماحصل اور اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا (53:39-41)۔ معاشرتی عدل کا قیام کرتا ہے (16:90 ; 42:15 ; 4:135 ; 4:58 ; 5:8 ; 5:44-45-47-48)۔

یہ معاشرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والذین معہٗ کے عہدِ ہمایوں میں قائم ہوا لیکن کچھ عرصہ بعد ''مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ'' کے مطابق حکومت کا قیام و انصرام نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ دنیا آج تک اس بابرکت دور کو دوبارہ دیکھنے کے لئے چشم براہ ہے۔

پاکستان کا قیام قرآنی اصول و اقدار کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے عمل میں آیا تھا۔ اس سلسلے میں اب تک کیا پیش رفت ہوئی، اس کا جائزہ جناب ڈاکٹر رفیق احمد صاحب نے روزنامہ نوائے وقت مورخہ 11 ستمبر 2012ء میں بعنوان ''قائداعظمؒ کے سیاسی اور عمرانی نظریات'' میں پیش کیا ہے جسے کم و بیش انہی کے الفاظ میں ذرا ترتیب کی تبدیلی کے ساتھ دہرایا جاتا ہے۔ ان کے مطابق بانیٔ پاکستان ''قائداعظمؒ نے تو 1937ء میں مسلم لیگ کے پچیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں ہی مسلمانوں کے معاشی حالات سدھارنے اور ایک انقلابی رفاہی معاشرہ قائم کرنے کے پروگرام کا آغاز کر دیا تھا اور اس سلسلے میں مزدوروں اور کسانوں کی آمدنیاں بڑھانے، غربت کا قلع قمع کرنے، مقامی صنعتوں کو فروغ دینے، تعلیم، صحت اور رہائشی سہولتوں کے لئے پبلک سیکٹر کو ذمہ دار ٹھہرانے اور ہر قسم کے معاشی استحصال اور ناانصافیوں کو ختم کرنے کے حوالہ سے واضح خطوط کی نشاندہی کر دی تھی..... انہوں نے 23 رکنی معاشی منصوبہ بندی کمیٹی تشکیل دی جس کی رپورٹ 2 جولائی 1945ء کو پیش کی گئی۔ یہ رپورٹ تحریک پاکستان کے معاشی

مقاصد کے حوالہ سے ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ قائداعظمؒ نے 5 نومبر 1945ء کو معاشی منصوبہ بندی کمیٹی کو جو لائحہ عمل دیا تھا وہ ان کے غیر مبہم الفاظ میں یہ تھا کہ آپ جو پروگرام بنائیں' یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ہمارا منشا امیر کو امیر تر بنانا ہرگز نہیں اور نہ ہی دولت کو چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز کرنے کے عمل کو تیز کرنا ہے۔ ہمارا اصل مقصد لوگوں کے عمومی معیارِ زندگی کو اوپر اٹھانا ہے''۔

اگرچہ قیام پاکستان کے بعد اس رپورٹ کی روشنی میں چند اقدام ہوئے لیکن ''قائداعظمؒ کے بعد اقتدار ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے نکل کر سرمایہ داروں' جاگرداروں اور دیگر غیر نظریاتی گروہوں کے پاس چلا گیا جنہیں تحریک پاکستان کے انقلابی پہلوؤں سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ انہوں نے اس منصوبے کو بالائے طاق رکھ کر ''ہارورڈ گروپ'' کے ناہمواریاں پیدا کرنے والے مغربی پروگرام کو اپنا لیا جو قائداعظمؒ کی واضح ہدایات کے خلاف تھا''۔

مرکزی حکومت پاکستان نے اپریل 1980ء میں ایک کمیٹی تشکیل دی کہ اسلامی اصلاحات کا ایجنڈا تیار کرے (ڈاکٹر رفیق احمد صاحب بھی اس کے ممبر تھے) اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ بعنوان "Agenda For Islamic Economic Reforms" مرتب کی اور مئی 1980ء میں حکومت کو پیش کردی۔ بعد میں یہ رپورٹ روزنامہ ''دی مسلم اسلام آباد'' نے نومبر 1980ء میں چار اقساط میں شائع کی۔ یہ رپورٹ اس قدر جامع اور قرآنی اصول واقدار کے مطابق تھی کہ اگر اس پر عمل ہو جاتا تو صدرِ اول کے اسلامی معاشرہ کے قیام کی منزل قریب تر ہو جاتی۔ لیکن وائے محرومی! یہ کس سرد خانہ میں چلی گئی؟ یہ ذمہ دار لوگ ہی بتا سکتے ہیں۔

اس سارے پس منظر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے وسیع وسائل وذخائر سے مالا مال اس مملکتِ پاکستان میں کیا غربت ختم ہو سکتی ہے؟

اس موضوع پر ایک کتاب ''غربت کیسے مٹ سکتی ہے''؟ سامنے آئی ہے جس میں ایک عملی منصوبہ پیش کیا گیا اور اس میں قرآنی اصول واقدار اور قائداعظمؒ کے نظریات کو سمونے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ مصنف کے مطابق غربت سے مراد اتنی آمدنی کا نہ ہونا ہے جس سے کسی کنبہ کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ (بنیادی ضرورتوں کی تفصیل پہلے دی جا چکی ہے)۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں ساری حکومتی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ تخفیف غربت فنڈ۔ ورکرز ویلفیئر فنڈ' وِمن بنک' چھوٹے قرضے غربت ختم تو کیا' اسے کم بھی نہیں کر سکے۔ انہوں نے ایسی سکیم پیش کی ہے جس پر عمل کرنے سے غربت میں کمی ہی نہیں بلکہ غربت ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گی۔ یہ ایک مسلسل قابل عمل پروگرام ہے جس میں ایک محلّہ یا دیہہ کو یونٹ بنایا گیا ہے۔ اس یونٹ میں وہاں کے باسیوں کے لئے رہائشی فلیٹس بنائے جائیں گے جن میں وہ تمام بنیادی سہولتیں میسر ہوں گی۔ جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔ ہر کنبہ کو فلیٹ اور دوکان انتہائی کم کرایہ پر ملے گی۔ اس طرح ان کے روزگار کا دائمی بندوبست ہو جائے گا۔ اسی طرح دیہات میں کاشت کے لئے ''گزارہ رقبہ'' کا تعین کیا جائے گا۔ رہائشی پلاٹس یا گزارہ رقبہ کی الاٹمنٹ متعلقہ شخص کو تاحیات کی جائے گی جو اس کی وفات کے بعد اس کے

نامزد کردہ شخص کو دے دی جائے گی۔ البتہ ملکیت کا تصور ''تاحیات قبضہ'' میں تبدیل ہو جائے گا جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہے۔ اس طرح ہر شخص باروزگار ہوگا اور تمام بنیادی سہولتوں کا حقدار۔ اس کی محنت کا معاوضہ دوسرا کوئی چھین کر نہیں لے جائے گا۔ چند ایک ابتدائی یونٹ کامیابی سے کام کرنے لگیں گے تو مزید یونٹس کی طلب پیدا ہوگی۔ اور یوں سارے ملک میں یہ نظام پھیل کر اپنے حسین نتائج دینے لگے گا۔

اس پروگرام کے لئے وسائل کہاں سے آئیں گے؟ کیا سونے چاندی کے ذخائر استعمال ہوں گے؟ نہیں۔ کیا بڑے زمینداروں کی اراضی غریبوں کو دی جائے گی؟ نہیں۔ کیا دوسرے ملکوں سے امداد ملے گی؟ نہیں۔ کیا تمام زمین اور جائیداد سرکاری ملکیت میں لے لی جائیگی؟ نہیں۔ تو کام کیسے شروع ہو سکے گا؟ مصنف نے ایک آسان اور قابل عمل حل تجویز کیا ہے کہ حکومت ایک بلامنافع لمیٹڈ کمپنی کا قیام عمل میں لائے گی جس کا مقصد منافع کمانا نہیں' غربت مٹانا ہوگا اور دوسری بات یہ کہ اراضی کی تقسیم نو کا قانون پاس کرنا ہوگا جس کے تحت یہ تعمیری پروگرام شروع ہوگا۔ ابتدائی طور پر سرکاری ملازمین کے لئے فلیٹس بنائے جائیں گے جن کے کرایہ کی کٹوتی پہلے ہی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لئے ملازمین پر بوجھ نہیں پڑے گا اور حکومت کو اخراجات کے لئے وسائل مل جائیں گے۔ البتہ فلیٹس کی تعمیر کے لئے حکومت سیڈ منی دے گی۔ اس کام کا آغاز ریلوے کالونیوں کی تعمیر و تریبِ نو سے کیا جا سکتا ہے جو بے حد قابل عمل ہے۔

قوموں کی تعمیر کا کام ایک دن کی بات نہیں ہوتی۔ اس پروگرام کا آغاز کر کے اسے سارے ملک پر پھیلانے میں وقت لگے گا۔ صنعتی قصبوں' نئے صنعتی شہروں' کارکنوں کی کالونیوں اور دیہاتی رہائشی اور گزارہ رقبوں کے یونٹوں کی تعمیر و تکمیل ہونے پر ہی غربت مٹ سکے گی اور لوٹ کر نہیں آئے گی۔ ذہنوں میں جو سوالات پیدا ہو رہے ہیں ان کا شافی جواب کتاب کے مطالعہ ہی سے میسر آ سکتا ہے۔ بہرحال یہ کتاب عوام کے لئے بالعموم اور منصوبہ سازوں کے لئے بالخصوص بہترین مواد فراہم کرتی ہے۔ سوچ کے نئے زاویئے اور جدید عملی تقاضے اپنانے کے لئے جرأت مندانہ فیصلے درکار ہوتے ہیں۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

کتاب کے صفحہ نمبر 5 (باب اوّل) پر جس نا ملنے والے قرآنی حوالہ کا تذکرہ کیا گیا ہے' وہ (59:9-10) ہے۔

کتاب کے مصنف محمد عبدالحمید ماہر اقتصادیات اور کہنہ مشق صحافی ہیں۔ 383+46 صفحات کی یہ کتاب -/550 روپے میں کلاسیک ریگل چوک' 42 دی مال' لاہور۔ فون نمبر 042-37312977 سے دستیاب ہے۔

☆.....☆.....☆

قرآنک فاؤنڈیشن

اشتہار

Ramadan – Time for Re-examination and Unplugging From The Matrix

By Dr. Mansoor Alam

Most religious scholars and Imams are accustomed to thinking of themselves as the representatives of Islam. They pass judgment on the rest of the Muslims and want them to follow their version of Islam. Those of certain political blocks have developed their own sectarian shariah and tell their followers that it is from God. Despite the fact that the Qur'an explicitly forbids Muslims from dividing themselves into sects, the proponents of man-made shariah proclaim that being divided into sects is a blessing from God. In stark contrast to this, the Qur'an states that the Prophet (PBUH) has nothing to do with those who divide themselves into sects (6:159). Without considering the ramifications of this contradiction, many choose to follow the dictates of their fallible advisors, rather than looking to The Divine Guidance. Whether from fear of man's judgment or due to laziness, many are inclined to just move with the flow. This, of course, is easier than trying to discern what the Qur'an truly instructs us to do. First of all, it is imperative that we remind ourselves that it is only Allah's judgment that will determine the state of our souls. Having the conviction to follow the Qur'an is an act of spiritual determination and integrity. Following the herd or vain bleating of men is for the weak of heart or those seeking the vain glory of political status. This is a path for those not truly committed to or appreciative of The Divine Guidance that Allah has placed into our hands. If we simply engage with the Qur'an, we will see for ourselves that the Qur'an informs us that it *is* 100% Truth, 100% complete, 100% unchangeable, 100% eternal and given to us and protected by, none other than, Allah, The Almighty.

Our scholars and interpreters seek to ensure that our most sacred Divine Guidance remains dependent on the compiled books of men – men, we must note, who claimed to be neither perfect nor divine. Their assessments were based solely on mere *oral* narrations and within these narrations were a number of contradictions and many incompatible versions of events. Competing interpretations and political allegiances added an additional unholy aspect to what finally ended up in print. Who amongst us cannot recognize the hazards of inaccuracy and errors of bias that occur when word of mouth becomes the means for transmitting knowledge? It is a dangerous precedent for any human, with our subjective viewpoints and incumbent flaws and errors, to place our own wisdom equal to, or even as a modifier to, our most treasured sacred trust, our Qur'an. In the very height of error and arrogance, scholars of this vein have even the temerity to declare some verses of the Qur'an to be abrogated. Here, we must never lose sight of the fact that it is Allah who judges man and not man who judges Allah. Those who overreach by this fatal error have sought to acquire for themselves the right to declare anyone infidel who does not conform to their view of Islam. It does not require a great deal of psychological insight to recognize that such aims reveal a lust for power and a striving for temporal political gain rather than a heartfelt desire to follow The Divine Message, in its entirety. The overreachers furthered their distortion of Islam's genuine history by passing judgment on women as though women were mere objects not human beings. In order to achieve their aim, the overreachers had to ignore the Prophet's (PBUH) example and brush aside the laws of Allah, such as the laws He provided to ensure that women receive the respect and dignity they deserve. Thus, false doctrines have been set forth that are contrary to Qur'anic guidance and erringly presented to the masses as God's law or Shariah.

The altered shariah, well-suited to the ambitions of the overreachers,

absolves kings from all sins including murder. It gives them the right to have as many concubines as they wish. And, the rich can literally buy their way to Heaven according to this shariah.

More than 1200 years ago, Muslim kings thus derailed Islam from its pristine and open universal brotherhood of all Muslims, to a tiny minority comprised of a closed and elite brotherhood of kings, religious scholars, and capitalists. The vast majority of the Muslim masses were left alone to fend for themselves with a fake brotherhood, just for feeling good. Muslims were brainwashed into believing that by mechanically practicing the so-called five pillars they would go to Heaven while their worldly lives remained under the control and exploitation of kings, scholars and capitalists. The world of Islam was turned into other-world lines and the masses were left to pray only for their salvation in the Hereafter. The essential structural foundation of Islam, as a vibrant, integrated, holistic community of faith, mutually beneficial to all, was sacrificed on the altar of ambition, as the elites could not take control until the masses were subdued and disempowered. Over time the errant doctrines of the elites became our core beliefs. This is the false Matrix under which we are still living.

We Muslims hold on to these core beliefs that have become deeply established over time. When we are presented with Qur'anic evidence that is against these beliefs, we do not accept this evidence. It creates a feeling in us that is extremely uncomfortable, called cognitive dissonance. And because it is so important to protect these core beliefs, we rationalize, ignore and even deny anything that doesn't fit in with them. For example, when we are presented with the Qur'anic evidence (30:31-32; 42:13) that creating sects in Islam is *Shirk* – the greatest sin – we tend to ignore it.

The Qur'an is the only true Shariah for Muslims according to Allah who

proclaims: *And now have We set thee (O Muhammad) on a clear road (Shariah) of (Our) commandment; so follow it, and follow not the whims of those who know not.* -Qur'an 45:18 [Pickthall translation]. This verse leaves no doubt that the Shariah, (the Qur'an) that the Prophet (PBUH) was commanded to follow - and hence Muslims, in turn, are supposed to follow - must provide a clear road (or code) for leading our individual as well as collective lives. Since Islam is universal in scope, its laws reflect that universality. Therefore, it is wrong to refer to a shariah that applies only to a particular group or sect as 'Islamic.' In fact, attaching the Islamic label to a sectarian shariah negates its very universality. Similarly, imposing the shariah of a particular sect (or Madhab) on all Muslims is also wrong because if we care about what Allah has instructed us, we know confidently that, there is no compulsion in Islam (2:256).

Despite this, we remain plugged into the Matrix. The Matrix is a system. People inside the Matrix continue happily with their daily routine in stasis. Looking from the inside, what does one see; Imams touting the benefits of shariah and the five pillars; scholars giving lectures and writing books and giving fatwas confirming the status quo; businessmen, teachers, lawyers, doctors, and workers busy with their respective professions? Lost to the Matrix are these very minds that need to be changed to accept the truth of the original Qur'anic principles of life. But until someone with a spirit like Khalifa 'Umar can snap them out of this malaise, we remain a part of that system, part of a false Matrix established to numb us away from the true vitality and equity of Islam as it was originally established. To regain this, we must seek to comprehend the Qur'an in its pristine, universal, unaltered, entirety. One has to understand that most of us are not ready to be unplugged from the Matrix. And, many of us have become so inured, so dependent on the system that we fight tooth-and-nail to protect it and do not take the trouble to research what

Islam was like prior to having the doctrines of the elites superimposed upon its name. Muslim masses, for too long, have been brainwashed into accepting man-made laws falsely put forward as Allah's laws. The man-made shariah of the overreachers gives its proponents enormous powers and has established a stranglehold on the Muslim masses.

The month of Ramadan provides us with a perfect opportunity to unplug from the Matrix and rediscover our singular source of divine guidance. Those who fast, do have to unplug from their daily physical routine anyway. Let this then provide an incentive to try to unplug from the Matrix as our Prophet (PBUH) and the Sahaba(R) did more than 1400 years ago. This is the month in which the Prophet (PBUH) and his companions fought for their own survival, and more importantly for the survival of Islam. The future of Islam was at stake in the first Ramadan of the first *Hijra* (Hegira) on the battlefield of Badr. Islam is going through a crisis now and this Sunnah of the Prophet (PBUH) demands our attention. Millions of Muslims throughout the world continue to be killed, raped, tortured, humiliated, persecuted and dehumanized. The way things are developing right now, we do not seem that far from the *Jaahiliyya* (ignorance) that existed in the world before the time of the Prophet (PBUH). This is also the month in which the Prophet (PBUH) and his companions re-entered Mecca as victors after eight years of refuge in Medina where they faced one military attack after another from the *Kuffar* and the *Mushrikun* (unbelievers and idol worshippers) of Mecca and their allies. This is the month in which the Ultimate Book of Allah began to be revealed to Prophet Muhammad (PBUH); this is the month of the Night of Power (*Laila-tul-Qadr*), which is better than a thousand months (97:1-3).

This is the month where we learn the value of *self-restraint* and seek to purify our souls. This is the month for prayer and fasting. This is the month for *glorifying* Allah and for being *grateful* to Allah for all of our blessings but most

especially for expressing our gratitude to Allah for sending His ultimate guidance, the Qur'an, to humanity.

That is why Ramadan was meant to be a month of fasting, introspection, soul searching and remembering Allah with passion and intensity reminiscent of the companions of the Prophet (PBUH). It was meant to be an occasion for believers to go through a yearly, month long intensive training exercise of hardship and self-restraint. Ramadan is a time of spiritual purification and commitment to Allah, a time to learn discipline and the patience essential to Islam so that we will be able, not only to proclaim but also, to establish the greatness and sovereignty of Allah in the world by facing bravely any challenges that might come our way. That is how the Prophet (PBUH) and his companions and the rightly guided Khalifas practiced Ramadan. And the results speak for themselves. Ramadan was never meant to be a few extra rituals and a short cut to heaven.

But even as ritual, Ramadan has become a burden on many Muslims. Many find it hard to fast. Some do find value in it for its health benefits while others have turned it into an occasion for feasting. While a billion poor Muslims live under what amounts to a yearlong fast, millions of others live under what amounts to a yearlong feast. How can people with this inclination establish the greatness of Allah? How can the *Allahu Akbar* of the indulgent have value in the sight of Allah?

We always do best when we go back to the Prophet (PBUH) and *Sahaaba*(R) and seek our inspiration from their example. We must look to what they were able to accomplish during Ramadan and follow in their footsteps. It is our responsibility to try to root out the causes of suffering for Muslims throughout the world, and strive, as did early Muslims, to establish a consilience community of faith where all benefit. It is difficult to follow the example of the

Prophet (PBUH) in doing what he actually *did* do to change the world, and yet so easy for us to just sit back and praise him? Yet, we must not be deterred. Allah does not need our empty praises. It is our solid actions that are essential to a genuine and vital Islam in the world. What do you think glorifies Allah more, our words of *Takbir* or our mindful actions to establish His *Takbir* in the world? Ramadan, in fact, was meant for Muslims to go through a program of training and exercise to be able to *do* just that. We were not to just do rituals and "finish" Ramadan as a means to earning reward in the Hereafter, and then carry on business as usual for the rest of the year. The training of Ramadan was meant to be training so that we'd realize and renew our commitment to strive for the values of life set forth in the Qur'an, every day of the year.

What our Prophet (PBUH) and his companions accomplished in 10 Ramadans and what the rightly guided Khalifas and their companions accomplished in 40 Ramadans, we have not even been able to maintain. In fact, we have squandered their accomplishments, altogether - despite practicing well over 1400 Ramadans since that time. What kind of Ramadan are we then practicing?

Another Ramadan has now come and as with the first Ramadan, the future of Islam is still at stake. Consider the immensity of our gift in The Divine Message of the Qur'an and seek to understand that this pristine message, in its entirety, far outshines and is far elevated above the interpretaions and musings applied to our sacred text by mere men. To understand this is to reassert Islam's authentic universality and equity. To understand this is to see that action is necessary to come to the aid of the many Muslims who suffer underneath the false Matrix that exists in the name of Islam. To understand this is to begin the process of unplugging from the Matrix. Go forth then with courage and a pure heart. And, may the blessings of Allah be with us all.

Surah Al-Jinn – Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 15

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. MansoorAlam)

Dear Friends! Today is January 20, 1984 and today's lecture begins with verse 23 of Surah الْجِنّ (Al-Jinn) 72:16. In the previous verses, as you know, I had mentioned that the revolution that started in the Meccan life of the Prophet (PBUH) and whose speed was very slow and weak, ultimately started gathering speed and acquiring strength. And then the Prophet (PBUH) stood up to proclaim this revolution: وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ ــ And thus it is that whenever a servant of Allah, His messenger, stands up to say that the right to rule only belongs to Allah – then: يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ــ these *Mushriks*, who are bent on denying the truth and support the status-quo, would gladly overwhelm him with crowds as if they are going to assault and crush him (72:19). Here the leader of the revolution is being addressed as عَبْدُ اللّٰهِ ــ servant of Allah. And what he is trying to do? He is standing up to say that the right to rule only belongs to Allah. The word that has come here is "قَامَ" (stand). Just think what happened as a result of standing up i.e., " قَامَ ". *It* created a revolution.

If you recall, when Parah 29 of the Quran was about to start, I mentioned that in the last two Parahs (i.e., 29 & 30) there is description of the confrontation that had been simmering underneath ever so slowly for all these years, but that, now, it was gathering momentum and coming out on the surface with robust strength. The Quran presents this scenario from which the entire picture of that confrontation becomes clear. So, when the Prophet (PBUH) stood up and made this revolutionary proclamation then all his opponents crowded and ganged up against him.

Ruling without partnership

My dear friends! The matter will proceed further from this point onwards. The Prophet (PBUH) said that the message he was giving does not allow any partnership whatsoever in its rule: قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ــ Say: "The obedience will be done purely to the laws of Allah and no one's obedience will be include as partnership in this. I do not ascribe right of rule to anyone beside Him." So much so that even the Prophet (PBUH), the messenger of Allah, who was the first head of the first Islamic state, did not have the power to causing harm or benefit to anyone: قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ــ Say: "Verily, it is not in my power to cause you harm or to endow you with consciousness of what is right." (72:21). The Prophet (PBUH) being the head of the state of such a large state, even he is saying to the people: The invitation that I am extending you; the state that I am trying to establish; I do not have the power to cause you any harm. Allahu Akbar! Being the Prophet (PBUH), being the head of the state, even he is saying that I do not have the power to cause any benefit or harm to anyone, because the existence of this state is to enforce only Allah's rule. Who am I to cause you benefit or harm? Do you see what kinds of attributes are being mentioned for an Islamic state: the obedience of the laws of Allah without anyone's partnership and if any rule or order or laws of any human is included with the laws of Allah then it would become *Shirk*. *This* is the real meaning of *Shirk*.

The Quran and the terminology "head of state"

My dear friends! Another characteristic that separates Islamic state from others is that the Quran does not use the term "head of state" for the person who is in-charge of the government. In an Islamic state there *is* no "head" of the state. The entire Muslim Ummah is the head of the state and the person in-charge is only for running the machinery of the government through *consultation* (Shura). The Quran delegates the responsibility of implementing its orders on the *entire* Ummah; there is nothing like "head of

anything" in Islam. There is *a* "Center of Obedience" established by the Prophet (PBUH) through which the entire Muslim Ummah performs its duty of obedience to Allah–and only Allah–through His Book, the Quran. The Prophet (PBUH) was the live authority at the "Center of the Obedience" to Allah. He could not enforce anything against the Quran. He did not have any authority to cause harm or benefit to anyone. You may be shocked and surprised – if you see through the lens of traditional interpretations – that these things seem as if they are coming from another world, the world of Utopia? But listen! These are things of "deep passion." What a marvelous world that was which was set up by the Prophet (PBUH) and was *followed* after him by the rightly-guided Khalifas (meaning, literally, those who *followed* after him) where old women could question them without fear. So, it is said here: there will be no concern for harm or favor to anyone from the "head of state" of the Islamic state. What a wonderful and marvelous world that would be?!

The Prophet's reference to himself

Leaving aside what is being told above, the Prophet (PBUH) even said this about himself:

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا (72:22)

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا (72:23)

Say: "Verily, no one could ever protect me from God, nor could I ever find a place to hide from Him – if I should fail to convey [to the world whatever illumination comes to me] from God and His messages." Now as for him who rebels against God and His Messenger - verily, the fire of hell awaits him, therein to abide beyond the count of time.

Please think about this! Even the Prophet (PBUH) is saying that he will not find shelter anywhere in the world if he disobeyed the laws of Allah: اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ – I dread if I were to disobey my Sustainer the

suffering that which would befall me on that awesome Day of Judgment. The Prophet (PBUH) said that I do not have any power or authority myself per se. My duty is to convey the message of Allah to you. That is, I am supposed to convey the laws and orders which He has given me. Then, I am supposed to establish a system of life based on those laws and orders. And then, I am the first one to obey these laws: (6:163) وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ. The messenger comes solely for the obedience of Allah; only to establish the obedience of His laws. The first center of obedience was being established and the messenger was saying to the people that it is up to your free-will to accept these laws or oppose them. But be warned this much: that whosoever will disobey the laws of Allah, whoever will reject this system of life which the messenger has established to enforce the laws of Allah; then his abode will be Hell in which he will live forever.

Dear friends! This thing must have been ingrained in your mind by now and which I have been telling you since many years: Whenever the obedience of Allah and the Messenger is mentioned in the Quran it means the obedience of the *Center* that the Prophet (PBUH) established for obedience to the laws of Allah. And after that, the system of life established by the Prophet (PBH) also remained as long as the *Center* was there. Whoever will disobey the *Center* (i.e., disobey the laws of Allah) his abode will be Hell. But as you know, we have generally put off Hell; Day of Judgment; Heaven; all these things for the Hereafter. Let me repeat once more – and I repeat it all the time – the life of the Hereafter is part of our Iman; in fact, it is the most important part. If we deny this, then the rest of the parts of Iman are rendered ineffective. But, even then, it does not mean that the results of our disobedience of Allah's laws and outcomes of our transgressions of His commands will only come in the Hereafter. This confrontation started in this very world and its outcome had come out in this world, on the day of the Mecca victory, in front of the transgressors. You will see in the verses of the Quran mentioned again and again this very confrontation–and mention of battlefield; of weapons; of chains and handcuffs; of prisoners and prisons; and of arrests and

detentions. And to provide the proof of all this, here were the Koresh who had never surrendered before to anyone in their history, and who thought of themselves so highly that they would not even consider worth their salt to fight this poor and weak group of Muslims initially, but, now, here they were standing in front of the Prophet (PBUH) defeated and in chains, beaten and surrendered people. You can very well imagine the intensity of their humiliation, shame, and disgrace at all this that was happening to them. This is why the Quran has said about Hell: عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا — In this world there will be life of humiliation and suffering for them. Then, the next verse in this Surah says: حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا — [Let them, then, wait] until the time when they behold that [doom] of which they were forewarned: for then they will come to understand which [kind of man] is more helpless and counts for less! (72:24). Here فَسَيَعْلَمُوْنَ emphasizes the fact that you will soon see the result from your own eyes of your transgressions although you are puffed-up today that you have a large army and plenty of weapons and resources. Those Meccans displayed extreme hubris for this confrontation. But they were told: If you continue to remain adamant and arrogant then you will be destroyed. When the Quran says, "you will soon see the result from your own eyes" then it is obvious that this "seen from eyes" can happen only in this world. The Quran says that they will know soon whose supporters are smaller in number and whose larger.

Dear friends! They were asking when that destruction will come. This is decided by Allah's law of requital. The Quran mentions again and again that there is a period of respite between an action and its outcome; and that this period of respite is a blessing from Allah. This is because with minor jolts maybe – just maybe – they could understand and reform themselves. The Quran says that this period of respite provides an opportunity for them to reform themselves and their unjust policies. Allah (i.e., His law of requital) does not punish people right away after a mistake. If that were the case, then no human will remain in the world. This is really a blessing of Allah. After all,

which human does not make a mistake?

The result of exploiting the period of respite

As mentioned above, the period of respite is a blessing from Allah: We give this period of respite; We keep on warning that the outcome of this bad behavior and this wrong system will be disaster; We tell them to change this wrong system, reform it, modify it; We are giving you the opportunity in the form of this period of respite. But the Quran says that they do not listen; they try to exploit this Allah-given opportunity. They say: Unnecessarily the messenger is scaring us, and warning us that we will be destroyed; that we will be ruined; but nothing is happening. On the contrary, we are prospering; we are flourishing; and we are thriving. And they continued to demand sarcastically: when will that destruction come about which you are warning us so much. But the Quran says: قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا — Say: "I do not know whether that [doom] of which you were forewarned is near, or whether my Sustainer has set for it a distant term." (72:25). The Prophet (PBUH) is saying that that destruction *will* come for sure but he does not know when it will come. It is important to note here that the knowledge of "when" even the Prophet (PBUH) did not know.

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا (72:26) — اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (72:27);
Only Allah knows the future; and He does not divulge His secrets to anyone else; (except that) through revelation (*wahi*) He tells the person who is chosen as His messenger only what He wants to tell. He appoints guards to safeguard it from the front and from behind. This revelation is now preserved in the Quran; and its protection has been undertaken by Allah Himself.

Dear friends! The event that is going to come in future and which is not in front of us is called "*ghayb*" or unseen. No one except Allah knows about this. And whatever part of this "*ghayb*" Allah wants to tell His messenger, He tells him through revelation; beyond this even His messenger does not know about future.

How much did Messenger know about future?

Dear friends! Everything with us becomes an issue or problem. Then debates and arguments start. They never come to the Quran. These arguments are going on for centuries. In these arguments the first thing that comes is: Whether or not the Messenger had the knowledge of the future? But if we come to the Quran then it makes everything clear. Here, the messenger is saying: When that destruction will come I do not know. I only know whatever knowledge of the future is given to me by Allah through revelation and nothing beyond it. But we have strayed away from the Quran and have opened this floodgate. And then do not ask how far the floods have reached. Leave aside the Prophet (PBUH); we now have all these sheikhs and mystics predicting future. The question is: What does this foretelling of future mean? It means telling about an event before it occurs. This is exactly the knowledge of "*ghayb*". The Prophet (PBUH) told his opponents that he did not know when the destruction will come; but here are these people predicting kismet; foretelling people's fate. They say that we go to heaven and read what is written on the tablet of fate, and only then we tell people about their future. They feel very proud that they have foretold future. If only they could leave behind this Persian concept and these Persian words they use, and come to the Arabic words then it would become clear that these things are all about the knowledge of "*ghayb*". But these "spiritual" sheikhs do not care because this works for them like a business. People keep going to them.

Limits on the Knowledge of "Ghayb"

Dear friends! If you come to the Quran then Allah says *categorically*: No one knows the knowledge of "*ghyab*" except Him. And even His messengers only knew as much about future as what He wanted to give them through revelation. And now after Prophet Muhammad (PBUH) the door of revelation is closed forever. No more Messengers or Prophets are going to come.This ended with our Prophet (PBUH). But, No Sir! Our so-called spiritual leaders

or "*Aulias*" continue to claim the knowledge of the future. All these "*Aulias*" continue to predict the events that will happen in future years. And there are others who predict human future using stars. Could you believe this?! Leave aside other nations and other people who may be conjecturing on intellectual level. If they predict future then this is none of our business. But what would you call those who, while having the Quran in their hands, claim knowledge of future and are engaged in future predictions of human destiny?! And,here we are, engaged in arguments about this while the Messenger is saying: — اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (72:27)؛ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا (72:26)

Only He knows the future; and He does not divulge His secrets to anyone else; (except that) through revelation (*wahi*) He tells the person who is chosen as His messenger only what He wants to tell. He appoints guards to safeguard it from the front and from behind. This revelation is now preserved in the Quran; and its protection has been undertaken by none other than Allah Himself. The Quran further says: — اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ Behold, it is We Ourselves who have bestowed from on high, step by step, this Quran? And, behold, it is We who shall truly guard it [from all corruption] (15:9). The protection of the Quran means that its every word is protected forever; that none of its words could be misplaced or removed; and that no other word could be inserted in it. But what have we done with it? We have declared: Ok Allah! Thou keep protecting the words of Thy Quran; but we will introduce and weave such meanings in these words that nothing will remain of the Quran; that nothing will remain of its words! As if we dare and challenge Allah: Do what Thou can? Do what Thou want? We don't care? May Allah forgive! We have done such commentaries of the Quran that these commentators themselves admit that in these commentaries of the Quran everything is there except the Quran. And then don't ask about the interpretations of the Quran? These take the matter to new level from here to there to nowhere!

The miracle of the Quran

This is a miracle of the Quran too that among all the revealed heavenly books

only in the Quran no single word has changed from the time it was revealed; no single word has been inserted into it or deleted from it. The evidence and proof of it is provided by non-Muslim scholars and researchers. The Quran is extant exactly word-for-word as it was revealed to the Prophet (PBUH).

The next thing is that of the Iman: the Prophet (PBUH) did not produce this book. This Quran was the revelation of Allah that the Prophet (PBUH) conveyed to human beings. The guards that Allah has appointed are so strong and powerful that no change – not even of a single word – has taken place in the Quran: لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا — so as to make manifest that it is indeed [but] their Sustainer's messages that these [messengers] deliver: for it is He who encompasses [with His knowledge] all that they have [to say], just as He takes count, one by one, of everything [that exists] (72:28).There is nothing in this of the messenger; he is just a messenger of his Sustainer. The messenger makes sure he compiles and delivers the complete message revealed to him to the people. And the guards that We have put around it make sure no one with malevolent intent ever comes close to it. Such a strong security system has been in place that nothing can remain unaccounted for. And the accounting system is such that it can be checked any time to make sure that everything is correct and that nothing is missing. This is a perfect way to make sure about something with 100% certainty. *This* is the Quran, claiming to be the revolutionary message of Allah which the Prophet (PBUH) conveyed to humanity.

Dear friends! Surah Al-Jinn is finished here. Next we will take Surah Al-Muzammil[1].

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts.

[1] This lecture continues with this Surah in the next chapter

عید سعید

جشنِ نزولِ قرآنِ مجید

پر

پیشگی ھدیہ تبریک قبول فرمایئے

اے نوعِ انسانی!

تمہارے پاس تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے ایک ضابطہ حیات آ گیا ہے جو ہر اس کشمکش کا علاج ہے جو تمہارے سینوں کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے۔ جو قوم اس کی صداقتوں پر یقین رکھتی ہے یہ اس کی راہنمائی' زندگی کی منزلِ مقصود کی طرف کرتا ہے اور اسے سامانِ نشوونما سے بہرہ یاب کر دیتا ہے۔

کہو کہ یہ خدا کے فضل و رحمت سے عطا ہوا ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایسے ضابطۂ حیات کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ۔ یہ اس تمام ساز و سامان سے بہتر ہے جسے تم جمع کرتے ہو۔

(القرآن الکریم' یونس 10' آیت 58)

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL®AND QUAID-E-AZAM

CPL NO. 28
VOL. 66
ISSUE
8

Monthly **TOLU-E-ISLAM**

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 35714546, 35753666 Fax: 35764484
Email: idara@toluislam.com
web: www.toluislam.com

AMBER®

The National Name for International Quality
ISO 9001:2008 Certified



AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers,
Air Conditioners, Fluorescent Lamps,
High Pressure/High Intensity Discharge Lamps,
and,
Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
6K Commercial Model Town, Lahore, PAKISTAN.
Phone: +92 42 3591 6830-5 Fax: +92 42 3591 6836
Email: info@ambercaps.com Web Site: http://www.ambercaps.com/